جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

مئی، جون، جولائی ۲۰۲۴ء	جلد نمبر ۲۲	شمارہ ۳	سلسلہ نمبر ۱۸۸

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر
مولانا سید فضیل احمد ناصری
08881347125

اشتراک وتعاون
اندرونِ ملک:
فی شمارہ -/30 سالانہ -/360
خصوصی -/1000
تاحیات -/6000
بیرونِ ملک:
سالانہ: 20 امریکی ڈالر
خصوصی: 100 امریکی ڈالر
تاحیات: 500 امریکی ڈالر

نگراں ترسیل
مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

شائع کردہ: جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)
فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371
موبائل (مدیر): 08006075484 ای میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

صریر خامہ

قند مکرر

قرطاس و قلم

صریر خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

لوک سبھا الیکشن آیا بھی اور گیا بھی۔ وہی پرانی چیزیں۔ وہی یاس انگیز حالات۔ امید یہی تھی کہ بھاجپا کے دس سالہ اقتدار کے بعد نئے نیم محاذ کی حکومت بنے گی، مگر تبدیلی کے خواہش مند ایک اور انتظار میں رہ گئے۔ شاید پنج سالہ طویل انتظار۔ اختلاف اور تغیر کچھ رہا بھی تو اس قدر کہ زعفرانی پارٹی واضح اکثریت حاصل نہیں کرسکی۔ نتیجہ یہ کہ اسے اپنے بل بوتے پر حکومت سازی کا موقع نہ مل سکا۔ اسے ضرورت پڑی سہارے کی، اور یہ سہارے اسے نتیش کمار کی 'جنتا دل یو' اور چندرا بابو نائیڈو کی 'ٹی ڈی پی' نے فراہم کر دیے۔ یہ دونوں پارٹیاں الیکشن سے پہلے ہی اس این ڈی اے کا حصہ تھیں، جس کی قیادت بھگوا بریگیڈ کر رہا ہے۔ کچھ اور تبدیلی نظر آئی تو یہ کہ کانگریس کی زیرِ قیادت 'انڈیا' نے 236 سیٹیں حاصل کرلیں۔ بھاجپا کی یہ دونوں بیساکھیاں الٹنے پلٹنے میں ماہر رہی ہیں۔ نہ ان کا قول معتبر، نہ ان کا عمل وزن دار۔ کبھی اس سے اتحاد، کبھی اُس سے ارتباط۔ آج کسی سے دوستی، کل اُسی سے دشمنی، پھر اگلے ہی مرحلے یارانہ و دوستانہ۔ یہی کہہ مکرنیاں ان کی شناخت۔ عوام کو توقع تھی کہ کہہ مکرنی پھر چلے گی۔ نتیش کمار اور چندرا بابو نائیڈو بی جے پی سے نکل کر 'انڈیا اتحاد' میں آجائیں گے اور بھاجپا کا دس سالہ اقتدار ختم ہوجائے گا، لیکن سارے اندازے، ساری پیش گوئیاں، تمام اجتہادات غلط در غلط ثابت ہوئے۔ مبصرین کا یہ بھی کہنا تھا کہ زعفرانیوں کی حکومت اگر بن بھی گئی تو ابتدائی چند دنوں تک ہنگامہ خیزیاں رہیں گی۔ نتیش کمار اپنی پسندیدہ وزارتوں کا مطالبہ کریں گے اور نائیڈو اپنی منفعت بخش وزارتوں کا۔ مگر یہ اندازہ بھی ہوا ہوائی ہی نکلا۔ زعفرانی جماعت کی حکومت بن بھی گئی اور وزارتیں بھی اسی طرح تقسیم ہوئیں جیسی بھگوا پارٹی چاہتی تھی۔ اب کہا یہ جا رہا ہے کہ عنقریب پیش آئندہ صوبائی انتخابات فیصلہ کریں گے کہ بھاجپائی حکومت جاری رہے گی یا دھڑام سے گر جائے گی۔

اس الیکشن کے نتیجے میں کچھ بہتر ہوا تو یہ کہ عوام نے بی جے پی کو اچھا سبق سکھایا۔ اس مغرور پارٹی

کو اکثریت ملنے نہیں دی۔ اس کی حکومت بننے کو تو بن گئی، مگر اس میں وہ دم خم نہیں جو پچھلے دس سالوں میں دیکھا اور جھیلا گیا۔ نہ وہ پچھلی سی رعونت ہے، نہ مطلق العنانی، نہ مرعوب کن انداز واطوار، نہ خوفناک و مدہش اعلانات واحکامات۔ ایک بے بسی ہے، ایک مردنی ہے، ایک فسردگی ہے۔ حکومت اپنی بقا کی خود محتاج ہو چکی، اب وہ رعنائیِ خیال کہاں!

اس الیکشن کی ایک خاص بات اپوزیشن کی بحالی بھی ہے۔ پچھلے دس برس حزبِ اختلاف سے خالی تھے۔ اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت بے لگام تھی۔ وہ جب چاہتی، جیسا چاہتی قانون بنا لیتی تھی۔ بے جان اپوزیشن کی نحیف آواز سے اُس پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔ اس بار حزبِ اختلاف بھی ہے اور وہ بھی نہایت طاقتور۔ راہل گاندھی اس کے لیڈر ہیں اور ایوان میں ان کی گھن گرج بھی جاری ہے۔

❁❁❁

لوک سبھا انتخابات کے نتائج نے جو ایک واضح پیغام دیا وہ ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے لیے نہایت خوش کن ہے۔ پچھلے دو انتخابات نے اہلِ اسلام کی آزمائش میں گزرے اور انہیں باور کرا دیا تھا کہ ان کے ووٹوں کی اب کوئی قیمت نہیں رہی۔ وہ بھاجپا کو ووٹ دیں یا نہ دیں، زعفرانی پارٹی فتح کے سمند پر برق خرام ہی رہے گی۔ پچھلے الیکشنوں کی ناکامیوں سے اس نے سبق سیکھا اور نہایت نظم وضبط کے ساتھ اپنے ووٹ استعمال کیے۔ دیر سے ہی سہی، انہیں پتہ چل گیا کہ ووٹوں کا انتشار انہیں کسی مصرف کا نہیں چھوڑے گا۔ یہ آر پار کا الیکشن تھا۔ اگر بھگوا بریگیڈ اکثریت پا لیتا تو ملک کے حالات اقلیتوں کے حق میں اور بھی سنگین ہونے تھے۔ ان کے بعض لیڈران کی بولی حد سے زیادہ ڈرانے والی تھی، بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آئین ہی بدل ڈالیں گے۔ کلمہ خوانوں نے دانش وبینش سے کام لیتے ہوئے اپنے حقِ رائے دہی کا صحیح استعمال کیا۔ نتائج کی یہ تبدیلی اور بھاجپائی مزاج کی یہ گراوٹ بتاتی ہے کہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت کا ایک ایک ووٹ سونے سے زیادہ گراں قیمت ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ ہوش وحواس اور نظم وضبط کے ساتھ اس کا استعمال کیا جائے۔ آئندہ اسمبلی انتخابات میں بھی اسی فراست وکیاست کی ضرورت ہے۔

❁❁❁

حج کے مقدس ایام بھی گزر گئے اور حجاج اپنے وطن واپس بھی ہو رہے ہیں۔ امسال بھی وہی بھیڑ تھی جو رہتی آئی ہے۔ ازدحام اور گہما گہمی درجہ حرارت کو یوں بھی بڑھا دیتی ہے۔ یہاں تو پہلے سے ہی گرمی

عروج پر تھی۔ درجۂ حرارت 55 ڈگری تک چلا گیا تھا۔ کیا عالم رہا ہوگا۔ حجاج کن حالات اور پریشانیوں سے گزرے ہوں گے۔ ہزار کے قریب حجاج صرف شدتِ گرما کی وجہ سے فوت ہو گئے۔ سعودی حکام کی جانب سے سہولیات کی کوئی کمی نہیں، مگر حج تو عبادت ہی ایسی ہے کہ دیوانہ وار پھرنا پڑتا ہے۔ کبھی منیٰ، کبھی عرفات، کبھی مزدلفہ، کبھی جمرات۔ لاکھوں لاکھ کے ہجوم کو سہولتیں بہم پہونچانا خود بھی ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اگر گرمی سے کچھ حجاج جاں بحق ہو گئے تو حکومت کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

جنہیں حج کی سعادت حاصل ملی بڑے خوش نصیب ہیں۔ انہیں خالقِ کائنات نے اپنے گھر بلایا۔ کعبے کا دیدار کرایا۔ طواف کے مواقع دیے۔ زمزم نوشی کی سعادتیں بخشیں۔ پھر صفا مروہ کی سعی۔ پھر عرفات، مزدلفہ اور دوسرے ارکان کی سعادتیں۔ ایک حاجی اگر ان نعمتوں کو یاد کر لے تو اس کی زندگی کے انقلاب کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ حج کرنا بے شک بڑی عبادت ہے، مگر اس کے تقاضے اس سے بھی زبردست۔ اب حاجیوں پر لازم ہے کہ اپنی زندگی میں تبدیلی لائیں۔ وہ زبان جس سے لبیک لبیک کی صدائیں بلند کی تھیں اور تسبیحات و تہلیلات ہمہ وقت جاری تھیں، اس پر غیبت اور دوسری نامناسب باتیں نہیں آنی چاہییں۔ وہ آنکھیں جن سے بیت اللہ کو دیکھا، وہ کان جن سے تلاوت، تلبیہ اور دعائیں سنیں، انہیں حرام باتیں سننے سے بچائیں۔ وہ ہاتھ اور پاؤں جو اللہ کی رضا کے لیے اٹھ رہے تھے، ان سے اللہ کی ناراضگی والے کام لینا ہاتھوں اور پاؤں پر ظلم ہے۔ علماء نے حج مبرور کی کئی علامتیں بیان کی ہیں، ایک نشانی یہ کہ حج کے بعد گناہوں سے بچا ہو، پچھلی زندگی کے مقابلے میں احتیاط پیدا ہوگئی ہو، تقویٰ اور نیکی کے امور میں اضافہ ہوگیا ہو۔ حج کے بعد والی زندگی اب اسی طرح گزارنی ہے۔ قادر و قیوم ہستی نے جب آپ کو گناہوں سے پاک صاف کر کے بھیجا ہے تو آپ کی زندگی یہاں سے صاف ستھری ہی گزرنی چاہیے۔ یہی ہے حج کا اصلی پیغام۔ اور وہی ہے اصلی حاجی جو اس پیغام کو اپنے سینے سے لگاتا ہے اور زندگی میں اتارتا ہے۔

......✦......

قندمکرر

قرآن سرچشمۂ ہدایت بھی اور منبع علم وعرفان بھی

فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد محمد انظر شاہ کشمیریؒ

بانی جامعۂ ھٰذا

قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین فرائض ذکر کئے ہیں، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت، اور تزکیہ ''يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط'' قرآن کریم ظاہر ہے کہ سرچشمۂ ہدایت بھی اور منبع علم وعرفان بھی، حکمت کا دستاویز اور تزکیہ کا نسخہ شافی بھی۔ معلوم ہوا کہ بنیادی حیثیت صرف قرآن کی ہے۔

الحکمۃ والتزکیۃ کے مراحل اسی کی مہیا کردہ سیڑھی سے طے ہوں گے، حدیث قرآن کی شرح ہے، الشافعی الامام فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث لاؤ بشرطیکہ صحیح اور مضبوط ہو، میں قرآن کریم سے اس کا ماخذ متعین کردوں گا، بخاری الامام کا کمال یہی ہے کہ قرآن کریم کو بنیادی حیثیت دے کر اس کی شرح حدیث سے کی مگر یہ طرز گہرے علوم کا طالب، اور وسعتِ معلومات کا متقاضی ہے اس لیے بخاریؒ کے نقش قدم پر جلیل وعظیم محدثین کو بھی گامزنی کا حوصلہ نہیں ہوا، صرف نسائی نے کچھ قدم اٹھائے مگر منظر ''فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾'' کا تھا یعنی الٹے پاؤں لوٹ گئے جب قرآن اجمال ہے تو اس بحر ذخار کی گہرائی میں موجود گوہر آبدار اور درّ شاہوار کی تلاش، ''الحکمۃ'' کی تلاش ہے۔

یوں تو الحکمۃ کی تشریح میں ابوحیان اندلسی نے اپنی کاوشوں کا انبار لگایا لیکن آپ کہہ لیجئے کہ ''ضرب الامثال'' کے قریب قریب چیز ہے، جیسے ضرب الامثال کبھی غلط نہیں ہوتیں، ان کی لفظی بندشوں کو توڑا بھی نہیں جاسکتا، ٹھیک یہ ہی کام الحکمۃ کا ہے، اسے یوں سمجھئے کہ مایوسیوں کی گھٹا ٹوپ، شکستگی حوصلہ کا مستقبل محرک ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' اچانک ایک مثال نے اسے مستعد بھی کردیا اور اس قدر بلند حوصلہ کہ راہ کے پہاڑوں کو فرہادی انداز میں چیرنے پھاڑنے کے لیے تیار، وہ مثال کیا تھی جس نے کایا پلٹ کردی؟ ''ہمتِ مرداں مددِ خدا'' ترجمہ ہے ''السعی منی والاتمام من اللہ'' کا، تلخ تجربات نے محتاط کردیا، اب یہ با احتیاط شخص ہر پُرخطر اقدام سے محفوظ کہا جائے گا کہ ''دودھ کی جلی بلی، چھاچھ بھی پھونک

پھونک کر پیتی ہے''۔

تقدیر و بلند اقبالی نے بند گلی سے چکا چوند شاہراہ پر لا کھڑا کیا، بلند اقبالی بہتر سے بہتر موقع دے رہی ہے تو کہتے ہیں کہ ''بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا''۔

جب حکمت قرآن کے بیان میں خزانۂ عامرہ کی طرح مستور ہے تو اس کی سراغ رسانی کی جائے، مثلاً فرمایا کہ ''وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ''اس ارشاد کی حکمت یہ ہے کہ دعوتِ حق کی تاثیر داعی کا پرسکون ہونا اور جمالِ اخلاق کا مظاہرہ ہے اسی کو سمجھانے کے لیے آپ نے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ پہلوان کون ہے؟ موجود صحابہؓ نے اپنی معلومات اور ذوق کے مطابق جواب دیئے۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا جواب قبول نہیں کیا تو اللہ ورسولہ اعلم کہہ کر سب منتظر جواب باصواب ہو گئے، ارشاد ہوا کہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کو پی جائے۔ یہ ان ہی آیات سے ماخوذ حکمت ہے جن میں مکارم اخلاق کی تعلیم اور تلخیوں سے متأثر نہ ہونے کی تلقین ہے۔

مکہ معظّمہ کی تطہیر اور بیت اللہ کی تقدیس کے بعد آپ نے بلال حبشیؓ کو حکم دیا کہ خانۂ کعبہ کی چھت پر اذان دو۔قریشیوں کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے، امراء وزعماء کی گردنوں کی رگیں وفورِ غضب سے پھول گئیں، کچھ نے منہ بنائے اور کچھ نے طنزیہ جملے کسے۔اٹھتی جوانیوں نے بلالؓ کی نقل کی، ختم اذان پر آپ نے اعلان فرمایا کہ بلالؓ کی نقل کرنے والے آگے آئیں، سرتابی کی تو مجال نہ تھی، چیرتا پھاڑتا ایک الہڑ آگے بڑھا کہ نقل میں نے کی تھی آپ نے فرمایا کہ ہمیں بھی سناؤ تو جوان شرمندہ ہوا؛ لیکن ارشادِ عالی کی تعمیل میں کلماتِ اذان بلہجۂ بلالؓ دہرائے، خوش الحانی کی دولت میسر تھی، وہ منتظر بلکہ سب کے سب سراپائے انتظار کہ اب گردن زدنی کا حکم ہوگا۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داد دی۔درہم سے لبریز تھیلی عنایت فرمائی، دریافت فرمایا کہ تمہارا نام، جواب تھا ''محظورہؓ'' آں صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کریمانہ اخلاق سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور ہمیشہ کے لیے مؤذن۔

بتایئے! کیا آپ کی غیظ وغضب کی تلوار اس کے کفر کے دبیز پردوں کو چاک کرتی؟ ہرگز نہیں، آپ کی لطافت نے یکا یک کفر کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا اور محظورہؓ کے باطنی آتش کدہ میں ایمان کی نسیم سحری مصروف خرام ہوگئی۔عمر فاروق کا جلال وشکوہ تو تاریخ اسلام کا ایک دمکتا ہوا عنوان ہے، ایک بار ان کی اہلیہ نے عمرؓ کو کوئی تلخ جواب دے دیا۔جلالِ عمرؓ جس کے سامنے ابلیس بھی ٹھہر نے کی ہمت نہیں کرتا تھا اہلیہ کی اس جرأت پر چھٹ پڑا۔اہلیہ نے عرض کیا کہ عمرؓ آپ تو آپ رسول اللہ کی ازواج مطہرات بھی کبھی آپ کو کڑوا جواب دیتی تھیں جسے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم برداشت فرماتے، عمرؓ سیدھے حفصہؓ کے یہاں پہنچے، تصدیق پر بیٹی کو خوب ڈانٹ ڈپٹ کی کہ تمہیں آں حضور ﷺ کو جواب

دینے کی ہمت کیسے ہوئی؟

وہاں سے ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور چاہتے کہ انہیں بھی ڈانٹیں لیکن ام سلمہ نے فرمایا کہ عمرؓ تم عجیب ہو، پہلے تو غیروں کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے، اب شوہر اور بیوی کے معاملات میں بھی دخل دینے لگے۔ عمرؓ وفورِ غضب میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ساری داستان سنائی آپ نے مسکرا کر فرمایا ''امّ سلمہؓ توامّ سلمہؓ ہی ہے۔'' اس ایک جملے نے عمرؓ کی اصلاح عمر بھر کے لیے کردی۔

اصلاحِ معاشرہ کے بلند بانگ دعوؤں میں صرف جہیز کی کثرت، مہر کی کمی وزیادتی زیرِ گفتگو آتی ہے ۔حالاں کہ معاشرہ ان ہی بنیادوں پر درست اور استوار ہوگا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھیں، آخر کوئی بات ہی تو ہوگی کہ احکم الحاکمین نے موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے طاغوت وسرکش کے یہاں دعوتِ حق لے کر جانے سے پہلے ہدایت کی کہ ''فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا'' یعنی نرم بات کیجیو!

ایک نیم ملا نے امیر المومنین کو درشت لب ولہجہ میں ہدایت شروع کی۔ امیر المومنین عالم بھی تھا اور حلیم بھی ،لطیف بھی تھا اور فہیم بھی، اس طرز پر بولا کہ آپ موسیٰ وہارون سے بڑھ کر نہیں اور میں فرعون سے بھی گیا گزرا نہیں، خدا تعالیٰ نے تو وہاں پر بھی نرم بات کہنے کا حکم دیا ہے۔ تجارت، زراعت، اقرباء، اعزہ، قرب وجوار، رہائش وپڑوس، داخلی وخارجی زندگی کا کون سا وہ شعبہ ہے جس میں اسلام کی راہ نمائی موجود نہیں، مگر اس کو کیا کیجئے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے قرآن گیا، دامنِ حکمت چھوٹا، تزکیہ کی راہ تاریک تر ہو گئی، معاشرے میں انقلاب لانے والے یہ کہہ کر گوشۂ عافیت میں چلے گئے کہ ؏

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور یہ بھول گئے۔

حدیث بے خبراں ہے کہ تو باز مانہ بساز
زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

رہا تزکیہ، تو وہ مکارم اخلاق کی معراج، باطنی کیفیات کی نگہداشت، ظاہر کی درستگی، معاملات کی صفائی ،بے ریا زندگی بے غرض محنت، خدمتِ خلق مخلوقِ خدا کی بے لوث خبر گیری ہے لیکن تعلیم درسگاہوں میں جا کر اپنی روح کچل چکی، تو تزکیہ کا گلا خانقاہوں نے کاٹ کر رکھ دیا، ''اللہ ہو'' کے خالی خالی نعرے، چند چلّے بظاہر نیک اطوار بباطن شیطانی کردار، مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوریؒ مشہور ادیب، قدیم علماء کے طرز پر دستار برسر عبا در بر، سہارنپور کے بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک کونے میں چند رندِ خراباتی سلفے کا زہر پی رہے تھے مولانا کو کراہیت ہوئی، لیکن اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۲) آواز آئی، اےاو! مولانا نے مڑ کر دیکھا تو بولے ابے تجھے ہی بلا رہے ہیں، مولانا جا کر کھڑے ہوئے تو بولے ابے چار میم جانتا ہے۔ انکار پر

نعرہ مستانہ بلند ہوا کہ ویسے ہی سر پر پگڑ باندھے پھرتا ہے، اب ایک میم ''مولا'' کا ایک ''محمد'' کا ایک میم'' مکہ کا، ایک ''مدینہ'' کا جا فقیروں کے اس نکتے کو ہمیشہ یاد رکھیے اور سن جس دن ازل میں خدا تعالیٰ احکام دے رہا تھا تو ملہٹے بہت دور تھے اور ہم عرشِ الٰہی سے بہت قریب (معاذ اللہ) خدا نے حکم دیا کہ بھنگ اور بوزہ دبا کر پینا۔ تم ملا سمجھے کہ نماز روزہ جم کر کرنا۔ آہ! وہ خانقاہیں جہاں علم ظاہر کو یہ کہہ کر علم باطن کا رنگ دیا جاتا ہے۔

علم را گر بردل زنی یارے بود
علم را گر برتن زنی مارے بود

اب انہیں میں مریدوں کی چھینا جھپٹی، جیب کترنے میں مشغول، ظاہر خوش پوشاک جس پر صادق رُب کاسیات عاریات، یعنی آئینۂ قلب زنگ آلود، نعرہ ہو، ہائے روح، رسم اذانِ بلالی لیکن بے کیف اور سرور سے خالی، امامت وخطابت دردِ سر، ضمیر فروشی سے تا بحد ملت فروشی، ایمان فروشی تا بہ سرمایہ ایمان سوزی، الحاصل! مدرسے بے حال، خانقاہیں قاتل، اس صورت حال پر بھرپور صادق ؎

امت بے چاری کے ہاتھوں سے دین بھی گیا دنیا بھی گئی

غرض کہ اس امت پر عروج وزوال، ترقی وتنزلی، سربلندی وانحطاط کے کئی دور گزرے، قوموں کی زندگی میں گردش روزگار یارا ہوا ر، دہر کی شہ سواری کوئی عجوبہ نہیں، مگر اس امت کے دوامی عروج کے لیے ایک نسخۂ کیمیا شفا بخش تجویز کیا گیا تھا۔ وہ کیا تھا؟ ''وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝۱۳۹'' اور تم سر بلند رہو گے اگر تم سچے مسلمان ہو گے۔ (القرآن)

معلوم ہوا کہ ایمان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، ایمانیات کے شعبے اور ان کے تقاضے چھوڑ دیئے گئے، جس کا نتیجہ یہ پستی وسرافگنی ہے، یہ امت کہاں بھٹک رہی ہے؟ اگر یہ اس کائنات میں پیروزہ بختی چاہتی ہے تو قرآن کو سنبھالنا ہوگا۔ خود اس پر عمل، معاشرہ کو اس پر عمل کا پابند اور سوسائٹی کو اس کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی سرگرم جدوجہد، حدیث کو سینے سے لگانا ہوگا اور تزکیۂ اخلاق کا خود درس لینا ہوگا، اور اس کی تعلیم دینی ہوگی مغل اقتدار کے زوال پر قومی نکبت کا علاج شاہ ولی دہلویؒ نے ان ہی تین چیزوں میں تلاش کیا تھا، اسارتِ مالٹا سے رہائی کے بعد پہلی تقریر جو دارالعلوم کے نو درہ میں شیخ الہندؒ نے فرمائی اس میں اس راز کا انکشاف تھا کہ سوا چار سال کی قید وبند میں ہم پر یہ حقیقت کھلی کہ امت اگر فلاحِ دین ودنیا چاہتی ہے تو ہر سہ مذکورہ امور کو بقوت تھامنا ہوگا۔ سراغِ حقیقت پر عمل اس طرح فرمایا کہ قرآن کی تفسیر وتشریح کے لیے قلم اٹھا، اور حدیث کو سمجھانے کے لیے ''ترجمۃ الباب'' سے آغاز کیا، مگر اجل مسمیٰ نے راہوار زندگی کی باگ تھام لی۔ پس اے امت اور میری واژ گوں قسمت ملت میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ ''این تذھبون؟ تم کہاں منہ اٹھائے سرپٹ دوڑ رہے ہو۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور منتظم

مولانا عبدالصبور شاکر

ایک بہترین منتظم کے لیے درج ذیل صفات کا حامل ہونا ضروری ہے:

۱:......راست بازی ۲:......امانت داری ۳:......ایفائے عہد

۴:......عدل وانصاف ۵:......ثابت قدمی ۶:...... پاکیزہ نظریات

۷:......رعایا کے حقوق سے بخوبی واقفیت۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام خوبیوں سے نہ صرف متصف تھے، بلکہ ہر ایک خوبی کے درجۂ اتم تک پہنچے ہوئے تھے۔ اگرچہ مکی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشکلات کا شکار رہے، لیکن اس کے باوجود ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ایک بہترین منتظم (Administrator) کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ ذیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس دور کے حسنِ انتظام کی چند ایک جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں:

۱:......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے ابتدائی برس، جن میں مسلمانوں کو بہت زیادہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا (جیسے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ وغیرہ)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب سے مخیر حضرات نے ان حضرات کو ظلم وستم سے نکالنے کی مقدور بھر کوشش کی اور جو غلام تھے، اُنہیں خرید کر آزاد کردیا۔ گویا آپ کی نظر پہلے ہی مظلوم اور پسے ہوئے طبقہ پر تھی۔

۲:......دوسرے نمبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیفِ قلوب کی نیت سے کافر غرباء کو صدقہ وزکوۃ دینے کی ترغیب دی، تاکہ وہ لوگ مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے متاثر ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائیں۔

۳:......تیسرے نمبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا، چنانچہ اس کے لیے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر بطور مدرسہ تجویز ہوا اور یہاں تعلیم پانے والوں کے ذمے لگا کہ جو لوگ یہاں نہیں آسکتے، اُنہیں گھر جاکر دینِ اسلام کی تعلیم دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی شاگردوں کی کوششوں سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان غنی عوف رضی اللہ عنہ جیسے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

۴:......مسلمانوں کی لاچاری کو دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو وطن چھوڑنے کی ترغیب دی کہ شاید باہر جا کر حالات اُنہیں راس آ جائیں اور وہ لوگ کفار کے نرغے سے نکل کر آزادانہ زندگی بسر کر سکیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر نبوت کے پانچویں سال رجب میں بارہ مرد اور چار عورتیں حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے۔اس طرح انہیں کفار کے ظلم وستم سے نجات ملی اور جو لوگ حبشہ نہیں جا سکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں بہت فکر مند تھے۔اُن کے لیے فوری طور پر ایک ایسے ٹھکانے کی ضرورت تھی، جہاں وہ آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکیں، اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف سے مدد لینے کا سوچا لیکن یہ ابدی سعادت اہلِ مدینہ منورہ کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔

نبوت کے دسویں برس دو مدنی سرداروں اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اور ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام اہلِ ایمان کے لیے خوشگوار ہوا کا جھونکا ثابت ہوا۔اہلِ مدینہ کے اصرار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سال بعد مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کا حکم فرمایا اور تیرہویں برس خود مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ یوں اسلام اور مسلمانوں کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی نصیب ہوتی گئی، لیکن اس ترقی کے پیچھے ہمیں کوئی ایسا دماغ نظر آتا ہے جس کے حسنِ تدبیر نے ایسی کایا پلٹی کہ عربوں کا اوڑھنا بچھونا، سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، امن و جنگ حتیٰ کہ سوچنے و بولنے کے انداز تک تبدیل ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں ۸۶ر کے قریب قبائل آباد تھے، جن تک اسلام کی دعوت پہنچانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین مطمحِ نظر تھا، لیکن اس کے لیے سب سے پہلے کچھ ایسا کرنا ضروری تھا جو ان حضرات کو اسلام کی جانب راغب کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

مدینہ منورہ آنے کے فوراً بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے آس پاس آباد قبائل سے معاہدہ کرنا اور ان میں صلح کروانا ضروری سمجھا، چنانچہ اوس، خزرج اور یہود کو اکٹھا کر کے ایک میثاق لکھا گیا جس کا بنیادی مقصد، امن اور امدادِ باہمی تھا۔ نیز ایک دستور کی بنیاد رکھی جس کی ۴۷ر دفعات تھیں۔ان دفعات پر عمل کروانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشکل قلعہ بھی مسخر کر لیا۔عرب کے بدوؤں کو قانون کا پابند بنانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہترین طرزِ عمل اختیار کیا اور وہ تھا شخصیت کی تعمیر، کیونکہ جب تک معاشرے کے افراد متحد اور نیک سیرت نہ ہوں، اس وقت تک نہ تو کوئی قانون پروان چڑھ سکتا ہے اور نہ ہی امن قائم ہو سکتا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرد کی شخصیت و کردار کی تعمیر کی طرف توجہ دی، چنانچہ بیعت لیتے وقت پاکیزگی و نیک سیرتی کا وعدہ ضرور لیتے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے مابین اُخوت کا رشتہ قائم کیا، جس سے نہ صرف ان کے مابین

محبتیں بڑھیں، بلکہ ان کی معیشت بھی اُستوار ہوئی۔ وہ لوگ جنہیں لڑائی جھگڑے، عشق لڑانے اور شعرو شاعری کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا تھا،تہذیب سے شناسا ہو گئے۔ جانی دشمن ایثار و محبت کے پیکر بن گئے۔ جاہل اوران پڑھ لوگوں میں علم کی شمعیں روشن ہو گئیں۔ ہر دم بتوں کا دم بھرنے والے توحید کے متوالے ہو گئے۔ لاقانونیت کے عادی لوگوں کی قانون دانی پر زمانہ رشک کرنے لگا۔ متکبر مزاج، عاجزی وانکساری کے پیکر بن گئے اور اونٹوں کے چرواہے بادشاہی کے گُر سکھانے لگے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دفاعی طور پر غیر مضبوط ریاستوں کی ترقی کی رفتار نہایت کم ہوتی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاستِ مدینہ کے دفاع کی طرف خصوصی توجہ دی اور ایسی جنگی پالیسیاں اختیار کیں کہ دشمن کو ہر مرتبہ منہ کی کھانی پڑی، مثلاً بدر و اُحد میں شہر سے باہر اور جنگ احزاب میں شہر کے اندر رہ کر اس انداز سے جنگیں لڑیں کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ نیز معلومات فراہم کرنے کا نظام اور دشمن میں پھوٹ ڈلوانے کا وہ نظام اختیار کیا کہ آج بھی بڑے بڑے سپہ سالار اس پر حیران نظر آتے ہیں۔ بطورِ سپہ سالار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ کمان ۸۸ر کے قریب جنگیں لڑی گئیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ انتظام کے ہی کرشمے ہیں کہ ان اَٹھاسی جنگوں میں مسلمانوں کا اتنا کم نقصان ہوا کہ عقل تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتی، یعنی کل ۲۵۹ مسلمان اور ۱۰۱۸ کفار قتل ہوئے، جبکہ ۶۵۶۴ کفار قیدی بنائے گئے۔ اس کے بالمقابل جدید مغربیت کی خشتِ اول یعنی جنگِ عظیم اول کو ہی دیکھ لیا جائے تو اس میں ایک کروڑ لوگ قتل ہوئے۔ معیشت وتجارت کسی بھی ریاست کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے۔ عوام جتنی خوشحال ہوگی، اتنی ہی آزادی سے اپنے مذہب و روایات اور تہذیب وثقافت پر عمل کر سکے گی۔ ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی معیشت وتجارت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ کسی بھی ریاست کے حصولِ دولت کے درج ذیل ذرائع ہوتے ہیں: مالِ غنیمت، خراج، جزیہ، فَے، تجارت، کاشت کاری، محصول، عطیات اور صدقات وزکوٰۃ، وغیرہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کسی پر ناجائز ٹیکس لگایا اور نہ ہی امراء کی دولت چھین چھین کر غرباء میں تقسیم کی، گویا نہ تو سرمایہ دارانہ نظام قائم کیا اور نہ ہی سوشلزم، بلکہ ایسا نظام مرتب کیا جس سے نہ صرف یہ کہ طبقۂ غرباء کی تالیفِ قلب ہوئی، وہیں طبقۂ امراء کو بھی ریلیف ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصدقات اور عشر کا تصور دیا اور پھر اس نظام کو اس ترتیب سے منظم کیا کہ زکوٰۃ دینے والے کے لیے بھی ایک شرح مقرر کر دی اور لینے والے کے لیے بھی۔ مالِ غنیمت میں ہر مسلمان کو حصہ دار بنایا اور جزیہ وخراج اور مالِ فَے ریاست کی بھلائی کے لیے استعمال کیا۔ نیز تجارتی مسائل کے حل کے لیے بازار کے نگران مقرر کیے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات یا قبیلے کے لیے کسی قسم کی کوئی جائیداد بنانا تو درکنار ایک ٹکڑا زمین بھی ترکہ میں نہیں چھوڑا۔ اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت کا

سامان ہے جو چند دنوں کی بادشاہی ملنے کے بعد کئی نسلوں تک اپنی اولاد کو کمانے سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہوری یا شاہانہ نظام کی بجائے شورائی نظام کو پسند فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری نظم ونسق کو دو حصوں میں تقسیم کیا: مرکزی اور صوبائی نظم ونسق۔ مرکز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بطور والیِ ریاست متمکن تھے، لیکن جب کبھی سفر کی ضرورت درپیش ہوتی تو اپنا کوئی نہ کوئی نائب مقرر کر کے جاتے، جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت سعد بن عبادہؓ، حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے نام آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین (سیکرٹریوں) کی تعداد برہان حلبیؒ کے مطابق ۴۲ ہے۔ اور سفراء کی تعداد ۳۸، کمشنروں کی ۱۴، اور شعراء کی تعداد سینکڑوں میں ہے، جن میں سیدنا حسان بن ثابتؓ، سیدنا کعب بن زہیرؓ کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلامی ریاست شمال کی جانب زیادہ بڑھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی تھی یا قدرتی امر کہ اسی طرف روم وایران کی حکومتیں تھیں۔ اس میں ازد، یمن، حضرموت اور ہمدان جیسے صوبے تھے، جن پر مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ۳۸ کے قریب گورنر متعین تھے، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن وسنت کے دائرے میں رہتے ہوئے وسیع اختیارات عطا فرما رکھے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بناتے وقت نصیحت فرمائی کہ: ''فیصلہ کرتے وقت قرآن وسنت اور اپنے اجتہاد کو مدنظر رکھنا۔''

اس کے ساتھ ساتھ صوبہ میں ۲۵ کے قریب مقامی منتظمین اور ۱۲ عدد نقیب (خاندانی سربراہ) اور ۸ عدد قاضی متعین فرمائے، جو فیصلے کرنے میں پوری طرح آزاد تھے۔ نومسلموں کی تعلیم وتربیت کے لیے مذہبی اصلاحات بھی ضروری تھیں، چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایک صحابہؓ اور ازواج مطہراتؓ کو بطور معلم مقرر کر رکھا تھا، جن میں مفتی، ائمہ مساجد، مؤذنین بھی تھے اور امورِ حج کے لیے عتاب بن اسید، سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جرائم کے خاتمے کے لیے عوام وعمال دونوں کے لیے اصول وضع فرمائے، چنانچہ عوام سے فرمایا: ''تم اپنے عاملوں کو عمل سے راضی رکھو، کیونکہ عادل امام کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا سایہ نصیب ہوگا۔'' جبکہ عمال سے فرمایا کہ: ''مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ ان کی دعا اور قبولیت میں کوئی چیز حارج نہیں ہوتی۔''

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جرائم کی سطح حیرت انگیز حد تک کم ہوگئی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حکومت میں قصاص کے محض ۷ ۲ واقعات رونما ہوئے۔ حدود کے ۱۸، قذف ۲، لعان ۷، ظہار ۲، شراب

۸، چوری کے ۱۵ اور طلاق کے صرف دس واقعات پیش آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کے لیے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک جامع مانع خطبہ ارشاد فرمایا، جو آج سے ایک ہزار چار سو اٹھائیس سال پہلے کی طرح آج بھی مشعل راہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اجتماعی زندگی کی بنیادیں تین ہیں: ۱:......جان، ۲:...... مال اور ۳:......عزت، ان کا پاس کرنا جھگڑے مٹا سکتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں قیامت تک کے لیے اسی عزت وحرمت کی مستحق ہیں جس طرح تم آج کے دن (یوم حج)، اس مہینے (ذوالحجہ) اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کرتے ہو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی حسن انتظام کو دیکھ کر مغربی مفکرین ومستشرقین دم بخود ہو کر داد دینے پر مجبور ہیں، چنانچہ موسیو اوجیل کلوفل کہتا ہے:

''جب ہم اس پر غور کرتے ہیں، جس میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی نبوت ورسالت کا علم بلند کیا اور جس میں ایک ایسا کامل مجموعۂ قوانین تیار کیا گیا ہے جو دنیا کی ملکی، مذہبی اور تمدنی ہدایتوں کے لیے کافی ہے، تو ہم نہایت حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایسا عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام جس کی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے، کس طرح قائم کیا گیا ہے۔ پس ہم دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مجموعۂ قوانین ہے جو ہر لحاظ سے بہتر ہے۔''

جارج برناڈ شا لکھتا ہے: ''موجودہ انسانی مصائب سے نجات ملنے کی واحد صورت یہی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کے ڈکٹیٹر (راہنما) بنیں۔''

ریمنڈ لیروگ لکھتا ہے کہ: ''نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی ہیں، جس کا سراغ اس سے قبل تاریخ میں نہیں ملتا۔ انہوں نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جسے تمام کرۂ ارض پر پھیلنا تھا اور جس میں سوائے عدل اور احسان کے اور کسی قانون کو رائج نہیں ہونا تھا۔ ان کی تعلیم تمام انسانوں کی مساوات، باہمی تعاون اور عالمگیر اُخوت تھی۔''

بانیٔ انقلاب فرانس روسو لکھتا ہے: ''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک صحیح دماغ رکھنے والے انسان اور بلند مرتبہ سیاسی مدبر تھے، انہوں نے جو سیاسی نظام قائم کیا وہ نہایت شاندار تھا۔''

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قابل ہیں کہ دنیا ان کے پیغام کو سمجھے اور ان کے دیے ہوئے نظام کو قبول کرے، تاکہ ملکوں میں پھیلا فساد اپنی موت آپ مرجائے۔ آج دنیا اس نظام کی اسی طرح پیاسی ہے، جیسے آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل تھی۔

......✦......

مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ

اور علامہ کشمیریؒ سے ان کا تلمذ و تعلق

مولانا سید فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعہ ہٰذا و نائب مدیر ''محدّث عصر''

دارالعلوم دیوبند کی علمی و روحانی فضا نے پورے عالمِ انسانی پر جس طرح اپنے فیوض و برکات کی بارش کی، ہندوستان کی پوری علمی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔ علوم دینیہ اور فنونِ اسلامیہ کا کون سا گوشہ ایسا ہے جہاں اس کے انوار و آثار کا ظہور و استیلا نہیں ہے۔ چودہویں صدی میں اسی فضا میں اسلام کا وہ سپوت بھی تیار ہوا جس کے علم و فضل نے مشرق و مغرب اور عرب و عجم پر اپنی دھاک بٹھائی۔ یہ ہیں امیر المؤمنین فی الحدیث علامہ انور شاہ کشمیریؒ، جنہیں دنیا خاتم الفقہاء والمحدثین، رئیس الحکماء والمتکلمین اور امام العصر جیسے وقیع القاب سے یاد کرتی ہے۔ اخیر دور کی یہ وہ نابغۂ روزگار شخصیت ہیں جن کے علوم و فنون اور علو و کمالات پر اس عہد کے جبالِ علم و فن نے انتہائی وقیع الفاظ میں خراجِ تحسین اور گلدستۂ عقیدت پیش کیا۔ مسلک حنبلی کے مشہور محدّث علامہ علی یمنیؒ کا یہ تبصرہ سارے تبصروں پر بھاری ہے: لوحلفت انہ لاعلم من ابی حنیفۃ لماحشت۔ اگر میں قسم کھالوں کہ علامہ کشمیریؒ امام ابوحنیفہ سے بھی بڑے عالم ہیں تو میں حانث نہیں ہوں گا۔ (نقش، دوام، ص ۲۱۴)

امام العصر علامہ کشمیریؒ دارالعلوم کے فقید المثال فاضل اور حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد ترین تلمیذ تھے، دارالعلوم کے استاذ بھی ہوئے اور پھر شیخ الحدیث وصدرالمدرسین بھی۔ ۱۳۵۲ھ میں انہوں نے دنیا کو خیر باد کہا اور تصنیفات و تلامذہ کی شکل میں حسین اور لازوال یادگاریں چھوڑیں۔ تلامذہ میں ایک نام مولانا سعید احمد اکبرآبادی (ولادت ۱۹۰۸ء وفات ۱۹۸۵ء) کا ہے۔ یہ اصلاً مرادآباد کے بچھرایوں سے تعلق رکھتے تھے، ننھیال سیوہارہ تھا، آگرہ وطن ثانی رہا اور انتقال کراچی پاکستان میں ہوا۔ مشہور عالم دین مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ ان کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ان کی رنگا رنگ شخصیت کا مختصر

تعارف فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ کے قلم سے سنئے:

’’چھریرا بدن، نکلتا ہوا قد، نزاکت ونفاست سرمایۂ زندگی، رنگ پکا، داڑھی نہ عام مولویوں کی طرح دراز، نہ متنورین کے انداز میں فرنچ کٹ، سر پر انگریزی بال، بالوں کی ٹوپی، شیروانی لازمۂ پوشاک، غالباً ضلع بجنور وطن، وطن ثانی آگرہ، اکبر آبادی نسبت وطن باقی وطنی نسبتوں پر غالب، مولانا متمول گھرانے سے تعلق رکھتے، والد ڈاکٹر پیشہ، پھر خدا جانے کیا بات پیش آئی کہ بجائے اسکول وکالج کے دینی درسگاہوں کا رخ کیا اور مختلف گھاٹوں کا پانی پیتے ہوئے دارالعلوم دیوبند آپہنچے۔ دورۂ حدیث علامہ کشمیریؒ سے پڑھا اور باختصاص شاگردوں میں شمار ہوئے۔‘‘ (لالہ وگل،ص: ۲۱۴)

مولانا اکبر آبادی کا حضرت کشمیریؒ سے تعلقات کا آغاز

مولانا اکبر آبادی امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید تھے اور ان کے علوم کے زبردست مداح اور معتقد۔ تعلقات کا آغاز طالب علمی سے ہوا اور گزرتے وقت کے ساتھ ان پر شباب چڑھتا گیا۔ وہ اپنے استاذ کے عاشق زار تھے اور ان کی عظمت وعبقریت کے ثنا خواں۔ وہ ۱۹۲۵ء میں دیوبند آئے اور ۱۹۲۸ء میں یہیں سے فراغت پائی۔ دیوبند میں ان کا کل قیام چھ برسوں پر محیط رہا۔

حضرت کشمیریؒ کے درس میں

مولانا اکبر آبادیؒ کو شاہ صاحب کے جس وصف نے اولاً متاثر کیا، وہ ان کی تنوع سے لبریز تدریس تھی۔ علامہ کا درس جاننے والے جانتے ہیں کہ اپنی نوعیت کا عجیب وغریب اور محیر العقول درس ہوتا تھا، جس میں تفسیر وحدیث سمیت نحو، صرف، اشتقاق، بلاغت، علم کلام، اصولِ فقہ اور دوسرے اہم علوم عموماً زیر بحث رہتے تھے۔ پھر ان پر قدیم مفسرین، محدثین اور اعلام واساطین کے حوالے۔ یہ حیرت انگیز منظر طلبہ کے لئے تو تھا ہی تعجب انگیز، اربابِ علم وکمال کے لئے بھی خرقِ عادت ہی کی طرح تھا۔ مولانا اکبر آبادی نے ان کے درس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

’’۱۹۲۶ء میں تمام علوم وفنون درسیہ سے فارغ ہونے کے بعد مجھ کو حضرت مولانا سید محمد انور شاہ مرحوم سے بسلسلۂ دورۂ حدیث بخاری اور ترمذی کا درس لینے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا درس کیا تھا، علوم وفنون کا بحر ذخار تھا جو شروع سے آخر تک پوری تیزی سے موجزن رہتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اپنی تقریر میں کثرت سے نامور مصنفین وائمہ اسلام کے حالات، ان کے علمی وعملی کارنامے، اجتہادات اور

ان پر تنقید وغیرہ بیان فرماتے رہتے۔خصوصاً علامہ ابن جوزی، حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی کتابوں کا شوق ہوا اور میں نے ان دونوں اماموں کی متعدد کتابیں پڑھیں۔ کچھ سمجھ میں آئیں اور کچھ نہیں آئیں۔ بہر حال پڑھیں سب۔مولانا شبلی مرحوم کی تصنیفات نے جس سنجیدہ علمی ذوق کی طرح ڈالی تھی، حضرت شاہ صاحب کے درس نے اس میں پختگی پیدا کردی۔ درس کے علاوہ میں یوں بھی حضرت شاہ صاحب کی پرائیویٹ مجلس میں شریک ہوتا رہا تھا۔آپ کی عام گفتگو بھی درس سے کم نہیں ہوتی تھی، میں اس سے استفادہ کرتا تھا۔'' (مشاہیر اہل قلم کی محسن کتابیں، ص: ٧٢)

علامہ کشمیریؒ کی صحبت میں گزارے ماہ وسال زندگی کے بہترین لمحات

علامہ کشمیریؒ سے استفادے کا سلسلہ چلا تو یہی سلسلہ فراغت کے بعد انہیں ڈابھیل لے گیا، علامہ کشمیریؒ دارالعلوم سے علیحدہ ہوکر جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل تشریف لے گئے اور اپنی مسند تدریس یہیں سنبھالی،تو استاذ سے حد درجہ رسم وراہ نے انہیں بھی ڈابھیل پہنچادیا، یہاں ان کا تقرر بطور مدرس ہوا اور تین سال گذارے، پھر ١٩٣١ء میں مدرسہ عالیہ فتح پوری، دہلی میں استاذ ہو گئے،ان کی تین سالہ کارگزاری سنئے:

''دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے یعنی فنون کی بھی تکمیل کر لینے کے فوراً بعد کم وبیش جو تین برس میں نے شیخ العرب والعجم حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ الکشمیری ؒ اور ان کی جماعت کے ساتھ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، ضلع سورت (گجرات) میں گزارے ہیں،ان کو میں تعلیم وتربیت کے لحاظ سے اپنی زندگی کے بہترین سال شمار کرتا ہوں، کیوں کہ اگر چہ دیوبند کے شش سالہ قیام میں بھی درس وتدریس کے علاوہ اکابر اساتذہ کی معیت وصحبت کے فیض وشرف سے باریاب رہا،لیکن ڈابھیل کی بات ہی اور تھی۔'' (برہان، ص: ٢، ج ٨٤، شمارہ ٧، جولائی ١٩٨٠ء)

علامہ کشمیریؒ کی خصوصی توجہات کے سائے میں

اتنا ہی نہیں کہ بات استفادے پر رک گئی ہو، بلکہ علامہ کشمیریؒ کی خصوصی عنایات اور کرم فرمائیاں موسلا دھار برستی رہیں، شب وروز کے معمولات کیا ہیں؟ کون سی کتابیں زیر مطالعہ ہیں؟ تدریس کیسی چل رہی ہے؟ یہ اور اس طرح کے متعدد سوالات سے ان کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ،مولانا ہی سے سنئے:

''میں کم عمر تھا اور سب کا خورد، اس لئے ہر ایک محبت کرتا اور شفقت کی نظر رکھتا تھا۔حضرت شاہ صاحب کو توجہ خاص تھی، میرے درس کے لئے جو کتابیں تجویز ہوتیں ان کا انتخاب حضرت ہی کرتے اور پھر

با قاعدہ اس کی نگرانی فرماتے کہ درس کیسا ہو رہا ہے؟ ان کتابوں کی نشان دہی فرماتے جن کا مطالعہ مفید اور ضروری ہوتا۔ اگر کہیں مجھے اشکال پیش آتا اور میں دریافت کرتا تو فوراً جواب نہ دیتے بلکہ فرماتے: فلاں کتاب کے فلاں فلاں ابواب کو پڑھ لو اور پھر میرے پاس آؤ، اس کی تاکید ہمیشہ فرماتے کہ ثانوی درجہ کی کتابوں کے بجائے امہات کتب کا مطالعہ کروں۔'' (ایضاً ص: ۳۰)

مولانا اکبر آبادیؒ اور ان کا رفع شک

مولانا اکبر آبادیؒ کتب بینی اور ورق گردانی کے بڑے رسیا تھے اور پچھلے دور کی بڑی بڑی کتابوں کو کنگھالنا، ان سے استفادہ کرنا اور اُن سے نتائج اخذ کرنا ان کی عادتِ ثانیہ تھی۔ بزرگوں کے حالات، ان کے کمالات، ان کی حیرت انگیز داستانیں پڑھتے تو انہیں لگتا کہ جو کچھ ہے، محض مبالغہ ہے، اس کی کوئی زمینی حقیقت نہیں، قلم کاروں نے خالص سخن سازی اور لفاظی کے علاوہ کچھ نہیں کیا ہے۔ لیکن ان کی یہ بدگمانی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور بہت جلد انہیں اپنے اس غلط خیال سے تائب ہونا پڑا۔ وہ خود ہی لکھتے ہیں:

''خود میرا اپنا حال یہ تھا کہ علمائے سلف کے شوق علم، وسعت مطالعہ، قوت وحفظ، ذہانت، غیر معمولی وسعت علم وعمیق نظر وغیرہ، علمی وذہنی کمالات سے متعلق ایک دو نہیں سیکڑوں حیرت انگیز واقعات پڑھے تھے، میں ان کو پڑھتا تھا اور دل میں خیال کرتا تھا کہ مورخین نے اپنی عام عادت کے مطابق رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کر دیا ہے، ورنہ ایک انسان میں بیک وقت اتنے کمالات کیوں کر جمع ہو سکتے ہیں، مدتوں دماغ پر یہی خیال مسلط رہا، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کو بہت قریب سے دیکھا اور حضرت موصوف کی صحبت میں بیٹھ کر سمندر سے کچھ قطرے حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تو اب معاً وہ پہلا خیال بدلا اور یقین ہو گیا کہ جب عالم اسلامی کے انتہائی دور زوال میں بھی دیوبند نامی ایک قصبہ کے افق سے ایک ایسی شخصیت بلند ہو سکتی ہے جو حفظ حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی وقسطلانی، کتب قدیمہ کے علم وتبحر میں حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم، علم معانی و بیان میں سعد الدین تفتا زانی اور فخر خوارزم جار اللہ زمخشری، منطق وفلسفہ میں ملا محب اللہ بہاری اور صدر الدین شیرازی، عربی میں حافظ اور بدیع الزماں ہمدانی کا اور فارسی شعر وسخن میں خاقانی وانوری کا ہم پایہ اور حریف وہمسر ہو تو پھر یہ کیوں کر مستبعد اور عقلاً محال ہو سکتا ہے کہ اسلام کے اور مسلمانوں کے دورِ شباب وترقی میں ایسے علمائے اعلام پیدا ہوئے ہوں جن کی نظیر مادر گیتی کے بطن سے آج تک پیدا نہ ہوئی، گویا حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر اپنے علمائے سلف کی عظمت کا صحیح احساس پیدا ہوا اور پہلی مرتبہ یہ محسوس ہوا کہ اتنے ائمہ سلف کی نسبت جو واقعات تاریخ کی کتابوں میں لکھے

ہوئے ہیں وہ مبالغہ پردازی نہیں، بلکہ واقعات کا اصل اور بے کم وکاست بیان ہے: جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدیار کا عالم ☆ میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا'' (تصویرانور،ص۳۳۶)

اس سے ملتا جلتا تاثر وہ ہے جو الکشمیریؒ کی وفات کے بعد ڈابھیل کے تعزیتی اجلاس میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی زبان مبارک سے ادا ہوا تھا:

''عام طور پر دنیا آپ کو بے نظیر، قوی الحفظ اور وسیع العلم فاضل کی حیثیت سے جانتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ آپ کا تعارف ناقص ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی شخصیت میں علماء متقدمین کے کمالات اس طرح جمع ہوگئے تھے کہ کمالاتِ انوری کا ہر پہلو فخر روزگار شخصیتوں کا مکمل عکس نظر آتا ہے، اس لئے اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اے شبیر! تم نے ابن حجر عسقلانی کو دیکھا ہے؟ یا ابن دقیق العید سے تمہاری ملاقات ہوئی یا تم کو سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام کی زیارت کی سعادت نصیب ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ان شخصیتوں سے نیاز کا موقع ملا، زمانہ کی گردشوں کا فرق ہے، ورنہ حضرت شاہ صاحب مرحوم اگر قدیم صدیوں میں پیدا ہوئے ہوتے تو کتب سیر وسوانح میں ان کا ذکر انہیں مذکورہ اشخاص کے پہلو بہ پہلو کیا جاتا۔ تشبیہ واستعارہ کی زبان میں حضرت مرحوم کی زیارت متقدمین علماء کی زیارت اوران سے شرف ہم کلامی ہے، اس لئے میرے نزدیک ان کی وفات ابن حجر کا سانحہ، ابن دقیق العید کی رحلت اور سلطان العلماء کا دنیا سے اٹھ جانا ہے۔ ملخصاً'' (نقش دوام،ص:۶۷)

مولانا اکبرآبادی کا ڈابھیل سے استعفیٰ اور حضرت کشمیریؒ کا اظہارِ افسوس

قلتِ تنخواہ نے انہیں جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں زیادہ ٹکنے نہ دیا۔ تین ہی سال گذرے تھے کہ طبیعت اُچاٹ ہوگئی اور استعفیٰ دے کر جامعہ سے چلے آئے۔ اس کے بعد جو ہوا فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کی زبانی سنئے: ''مدارس میں مشاہرے قلیل، اضافۂ تنخواہ کی درخواست کے مسترد ہونے پر انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی ٹھانی، ڈابھیل میں وداعی ملاقات علامہ کشمیریؒ سے ہوئی تو فرمایا: کہ مولوی صاحب! آپ نے ہم سے تنخواہ کے اضافہ کے لئے گفتگو نہیں کی ورنہ میں اس مہم میں آپ کا معاون ہوتا۔ اچھا جایئے خدا تعالیٰ آپ کو ایم-اے کرے۔ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود، ایم-اے پر گاڑی رک گئی۔'' (لالہ وگل،ص:۲۱۴)

علامہ کشمیریؒ پر پی-ایچ-ڈی کی نگرانی

ڈابھیل سے نکلے تو ۱۹۳۱ء میں مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں مسندِ تدریس سنبھالی، وہاں بھی ان کا قیام

زیادہ نہ رہ سکا۔ ۱۹۳۴ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی اے پرائیویٹ مکمل کیا اور ۱۹۳۶ء میں سینٹ اسٹیفن کالج دہلی یونیورسٹی سے ایم اے عربی کی تکمیل کی، پھر یہیں سے ایم اے انگریزی بھی مکمل کیا، پھر بقول شاہ صاحب: گاڑی یہیں پر رک گئی۔

مولانا اکبرآبادی کا عصری علوم کی تحصیل کا سفر تمام ہوا تو اس کے چند برسوں کے بعد ۱۹۴۰ء میں سینٹ اسٹیفن کالج کے استاذ عربی مقرر ہوئے، پھر جب دہلی یونیورسٹی میں عربی فارسی اور اردو کے مشرکہ شعبہ کی بنا پڑی تو مولانا کو اس کا صدر بنایا گیا، یہاں ان کی تدریس چھ برس تک جاری رہی، پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اسی دور میں اُن سے پڑھا تھا۔ پھر اکبرآبادی مرحوم مختلف اداروں میں اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے نوبت بایں جا رسید کہ ۱۹۵۹ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے سربراہ ہوگئے۔ علی گڑھ تشریف فرما ہوئے تو اپنی زیر نگرانی سب سے پہلا مقالہ برائے پی-ایچ-ڈی علامہ کشمیریؒ پر ہی تیار کرایا، جو استاذ سے ان کے عشق اور انتہائی قلبی لگاؤ کی طرف راست غمازی کرتا ہے۔

بارگاہِ کشمیریؒ سے مولانا اکبرآبادی کو حسنِ نگارش کی سند

علامہ کشمیریؒ فضل وکمال کے جس انفرادی مقام پر فائز تھے ان کی نظر میں کسی کا جچ جانا بہت مشکل تھا، بڑے بڑے اربابِ جبہ ودستار اور اصحابِ تصانیف بھی ان کی زبان پر آتے تو اعترافِ کمال کے ساتھ ان کی فروگذاشتوں پر روشنی ڈالنا نہیں بھولتے تھے۔ معاصرین میں سے تو ان کی توثیق کردہ شخصیات خال خال ہی ملیں گی۔ یہ مولانا اکبرآبادی کا کمال اور لوح وقلم میں ان کی پختگی وسربلندی کی دین ہے کہ علامہ کشمیریؒ جیسا نقاد بھی انہیں داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسی برہان میں ہے کہ: ''اس زمانہ میں دیوبند سے ایک ہفتہ وار اخبار ''مہاجر'' کے نام سے نکلتا تھا، یہ اخبار ہماری جماعت کا ترجمان تھا اور میں اس کا مستقل مضمون نگار تھا، اس کی ہر اشاعت میں نام کے ساتھ یا بغیر نام کے میرا ایک آدھ مضمون ضرور ہوتا تھا۔ میرے یہ مضامین حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر سے گزرتے تھے۔ ان میں اگر کوئی اچھی بات ہوتی تو تحسین اور کوئی سقم ہوتا تو تنبیہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ لاہور سے آنے کے بعد میں نے ''مقبرۂ نور جہاں پر ایک لمحۂ اشک'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا، جو خالص ادبی تھا، اس میں میں نے اس کی تصویر کشی کی تھی کہ نور جہاں کون تھی اور کس صاحبِ اورنگ وحشم شہنشاہ کی چہیتی رفیقۂ حیات تھی؟ اور اس کے بعد مقبرہ جس خراب وخستہ حالت اور عالم کس مپرسی میں پڑا تھا، اس کی منظر نگاری کی تھی، حضرت الاستاذ نے ''مہاجر'' میں یہ مضمون پڑھا تو آب دیدہ ہوگئے، فوراً مجھ کو کمرہ سے بلا کر داد دی اور فرمانے لگے: ماشاءاللہ قلم میں بڑی توانائی ہے۔'' (ص:۳۰)

اردو علامہ کشمیریؒ کی نظر میں

بات مولانا اکبرآبادی کی مضمون نگاری اور اس پر حضرت کشمیریؒ کی توثیق کی آ گئی تو لگے ہاتھوں یہ بھی سن ہی لیجئے کہ امام العصر علامہ کشمیریؒ نے اپنی تدریس اور تصنیف کے لئے اگرچہ اردو کو ذریعۂ اظہار نہیں بنایا مگر اس کی اہمیت کے دل دادہ ضرور رہے۔ اس زبان میں ان کی کئی اہم نظمیں بھی ہیں، جن سے اردو پر ان کی مالکانہ گرفت اور مہارتِ تامہ کا پتہ چلتا ہے، تاہم ایک دور وہ بھی گزرا ہے کہ کشمیریؒ اس سے ہمیشہ بدگمان رہے اور یہ خیال جمائے رہے کہ اردو کا دامن علوم اسلامیہ سے خالی ہے، مگر پھر ایک واقعہ کے بعد انہیں یہ رائے بدلنی پڑی۔ فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''یہ بھی سنئے کہ بیان القرآن یعنی قرآن حکیم کی تفسیر جسے مولانا تھانویؒ کے علم ریز قلم نے تیار کیا جب اس کا مطبوعہ نسخہ دیو بند پہنچا اور شاہ صاحبؒ نے بالاستیعاب اس کا مطالعہ کیا تو طلبہ سے درس بخاری میں ارشاد فرمایا کہ: ''میں نے اپنے ذوقِ علمی کو محفوظ رکھنے کے لئے اردو سے مطالعہ میں ہمیشہ پرہیز کیا تا آں کہ اپنی نجی مراسلت کی زبان بھی عربی اور فارسی ہی رکھی اور ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ اردو کا دامن علم و تحقیق سے خالی ہے، لیکن مولانا تھانویؒ کی تفسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے اپنی رائے میں ترمیم کرنا پڑی اور اب سمجھتا ہوں کہ اردو بھی بلند پایہ علمی تحقیقات سے بہرہ ور ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ''بیان القرآن'' جیسی چست تفسیر دیکھنے میں نہیں آئی۔'' (نقش دوام، ص: ۲۸۸)

اردو زبان میں کمال حاصل کریں

پھر تو علامہ کشمیریؒ کی رائے ایسی بدلی کہ باقاعدہ اس کی تحصیل کی ترغیب دینے لگے اور اپنے تلامذہ کو سخت تاکید فرمانے لگے کہ اردو سیکھیں اور اتنی سیکھیں کہ درجۂ کمال تک پہنچ جائیں۔ اردو سے بے اعتنائی علماء پر داغ ہے، اس داغ کو دھونا بہت ضروری ہے۔

اس سلسلے کی مزید تفصیل مولانا اکبرآبادی کے قلم سے سنئے: ''اس موقع پر بے ساختہ ہم کو اپنے استاذ حضرت العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہٗ کی یاد آ رہی ہے، جو علوم وفنون کے بحر ذخار ہونے کے ساتھ اپنے پہلو میں بدرجۂ غایت حساس و بیدار دل رکھتے تھے اور مغربی علوم کی حشر سامانیوں اور تہذیب و تمدن جدید کی بلاخیزیوں کا تذکرہ دردناک لہجہ میں کر کے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں

اگر تم کوعلم و مذہب کی خدمت ہندوستان میں رہ کر کرنی چاہتے ہوتو اردو تحریر میں کمال پیدا کرواور انشاء کے جدید دور میں مہارت استعمال کرو۔ حضرت اقدس نے اپنی تصنیف و تالیف کے لئے ہمیشہ عربی زبان کو اختیار فرمایا، لیکن زمانہ کے حالات کو بدلتا ہوا دیکھ کر اپنے خدام کو تاکید کرتے تھے کہ اردو زبان میں کمال حاصل کریں اور علماء پر بالعموم اردو زبان میں کوتاہ قلم ہونے کا جو الزام عائد کیا جاتا ہے اس کو حرفِ غلط کی طرح مٹا ڈالیں۔ ہم اس وقت ایک خارزار میں قدم رکھ رہے ہیں لیکن ہمیں قوی امید ہے کہ اولاً خدائے قدوس کے فضل و کرم اور ثانیاً حضرت استاذ کا فیضانِ روح ہمارے لئے خضرِ راہ ثابت ہوگا۔ ہمارے تمام ولولے، امنگیں، ارادے اور حوصلے اصل یہ ہے کہ یہ سب کے سب حضرت استاذ کے سرچشمۂ فیض ہی کا ثمرہ اور انہیں کی پیدا کی ہوئی روح کا نتیجہ ہیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ'' (برہان، جولائی ۱۹۳۰ء)

علامہ کشمیریؒ اور ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے درمیان بحیثیت سفیر

اردو کی بات آگئی تو ڈاکٹر محمد اقبال کا ذکر یہاں ہرگز بے محل نہ ہوگا، کیوں کہ وہ اس زبان کے سرآمد اور قدآور شخصیات میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی اردو تصنیفات نے اہل علم و اربابِ دانش کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ان کے اشعار نے تو اسلام کی وہ ترجمانی کی ہے کہ ان سے پہلے ایسی ترجمانی بزبانِ اردو کسی کے نصیب میں نہیں آئی۔ ڈاکٹر مرحوم اپنے تمام تر کمالات اور اردو زبان و ادب کی جولان گاہ میں اپنی کامرانیوں کے جھنڈے گاڑنے کے باوجود کئی مقامات ایسے ہیں جہاں انہیں ٹھوکر لگی اور ان کا عقیدہ فساد کی زد میں آیا۔ ایسے نازک موقع پر علامہ کشمیریؒ نے انہیں صراطِ مستقیم دکھایا اور وہ گمراہی کے راستے پر دیر تک چلنے سے بال بال بچ گئے۔ اپنے اپنے میدان کی ان دو شخصیات کے درمیان جنہیں سفیر اور قاصد کی خدمت انجام دینے کی سعادت میسر آئی ان میں ایک نام حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کا بھی ہے۔ ایک قصہ انہی کی زبانی سن لیجئے:

''یہاں شاید اس واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ حضرت الاستاذ کا ایک منظوم رسالہ حدوث عالم کی بحث پر ہے، یہ رسالہ حجم میں تو بہت مختصر ہی ہے، لیکن سچ یہ ہے کہ اس مسئلہ (حدوث عالم) پر سارے قدیم وجدید فلسفہ کا عطر اور اس پر تنقید ہے اور اس بنا پر جب تک کوئی شخص فلسفہ کا اچھا اور مبصر عالم نہ ہو وہ اس رسالہ سے پورے طور پر نفع حاصل نہیں کرسکتا، یہ رسالہ چھپ کر آیا تو اس کا ایک نسخہ حضرت الاستاذ نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کے پاس بھی تحفۃً ارسال فرمایا، ڈاکٹر صاحب جس ذوق اور جس استعداد کے بزرگ تھے اس کے

اعتبار سے ان کے لئے کوئی تحفہ اس چند ورقی سے زیادہ قیمتی نہیں ہوسکتا تھا، بڑے خوش ہوئے اور پورا رسالہ بڑی توجہ اور غور وفکر کے ساتھ پڑھا، میں اس زمانہ میں بسلسلۂ طالب علمی لاہور میں مقیم تھا اور گاہے گاہے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی علمی و ادبی مجلس سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم تھا کہ مجھ کو حضرت شاہ صاحب کے ادنیٰ درجہ کے تلامذہ میں سے ہی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے، بلکہ اس بارگاہ علم وفضل میں شخصی تقرب واختصاص کا مرتبہ بھی میسر ہے، اس بنا پر میرے ساتھ کرم وشفقت بزرگانہ کا معاملہ کرتے تھے اور جب کبھی حاضر ہوتا گھنٹوں بڑی بے تکلف اور سادگی کے ساتھ مختلف اسلامی مسائل پر گفتگو فرماتے تھے، اسی قسم کی ایک صحبت میں ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تو مولانا انور شاہ صاحب کا رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ اور قال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ درک وبصیرت اور اس کے مسائل پر اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوث عالم پر اس رسالہ میں انہوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے، حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلہ پر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا، اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے وہ رسالہ میرے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس میں چار شعر ایسے ہیں جن کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا، میں نے ان پر نشان لگا دیا ہے، آپ اب دیوبند جائیں تو یہ نسخہ ساتھ لیتے جائیں اور شاہ صاحب سے ان اشعار کا مطلب دریافت کرتے آئیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے ارشاد کی تعمیل کی، دیوبند آکر وہ رسالہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کرکے ڈاکٹر صاحب کا پیغام پہنچایا، لیکن حضرت الاستاذ نے مجھ کو ان اشعار کا مطلب سمجھانے کے بجائے یہی مناسب خیال فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کو فارسی میں ایک طویل خط لکھیں اور اسی میں ان اشعار کا مطلب بھی تحریر فرمادیں۔ یہ خط میں ہی دستی لے کر لاہور آیا اور ڈاکٹر صاحب کو پہنچا دیا۔'' (تصویر انور، ص:۳۳۸،۳۹)

مولانا اکبرآبادیؒ کے ساتھ علامہ کشمیریؒ کا بے تکلفانہ انداز

مولانا اکبرآبادی کو حضرت کشمیریؒ سے جو گہرا تعلق اور دیرینہ ربط وارتباط تھا اس کی ایک طویل داستان ہے، وہ اپنے استاذ کا ذکر جمیل جب بھی موقع آئے کرنے سے نہیں چوکتے۔ علامہ کشمیریؒ اپنے اس شاگرد سے کتنا لگاؤ رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ کبھی کبھار مزاح بھی کرلیا کرتے تھے۔ اسی تصویر انور میں مولانا اکبرآبادیؒ کا واقعہ خود ان کے قلم سے یوں ہے:

''ایک واقعہ لکھتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت الاستاذ کو مزاح کے ساتھ ساتھ چھوٹوں کی دل

جوئی اوران کی دلدہی کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت الاستاذ میری شادی میں شریک ہوئے اور حضرت نے میرا نکاح پڑھا تھا۔ یہ مہینہ مئی کا تھا، جوآگرہ کے لئے بہت ہی شدید اورانتہائی سخت موسم ہے۔ بارات کواعتماد پورہ جوآگرہ سے تین چار اسٹیشنوں کے فاصلہ پر ہے، وہاں جانا تھا، ریل کے اوقات کی مجبوری کی وجہ سے دوپہر کوتقریباً دوڈھائی بجے کے قریب ہم لوگ آگرہ سے روانہ ہوئے اورایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اعتماد پور کے اسٹیشن پر پہنچ گئے، مگر منزل ابھی دومیل دورتھی، اسٹیشن سے قیام گاہ تک جانے کے لئے اس نواح کی مخصوص اور سخت تکلیف دہ سواری یعنی یکہ میں بیٹھنا تھا، پھر اس پر لطف یہ کہ راستہ نہایت ناہموار، جگہ جگہ گڈھے اورنشیب وفراز وہ کہ الامان! گرمی شباب پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قافلہ یکوں پرسوار ہوکر اسٹیشن سے شہر کی جانب روانہ ہواتو راستہ کی ناہمواری اور گڈھوں کی فراوانی کی وجہ کے باعث براحال ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحب ٹھہرے ایک نہایت ہی لطیف اور نازک مزاج بزرگ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہی یکہ کورکوایا اور پاپیادہ ہوگئے، چلچلاتی دھوپ پڑ رہی ہے اورلوچل رہی ہے، چاروں طرف سے مٹی کے تودے ہیں کہ فضا میں گشت لگاتے پھر رہے ہیں اوراسی عالم میں حضرت شاہ صاحب منھ اور کانوں کورومال میں لپیٹے ہوئے حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتے ہوئے قدم بڑھائے اعتماد پور کی آبادی کی طرف چلے جارہے ہیں۔ آخر خدا خدا کرکے مقام آیا۔ ایک بڑے مکان میں انتظام تھا وہاں ہم لوگوں کو پہنچادیا گیا۔ یہاں لوگ پہلے سے موجود تھے، کوئی پنکھا لے کر دوڑا، اورکوئی پانی سے بھرا لوٹا لے کرآیا کہ سخت گرمی میں چل کرآئے ہیں۔ ذرا منھ ہاتھ دھوکر ٹھنڈے ہولیجئے۔ حضرت شاہ صاحب کوصدر مجلس میں ایک قالین پر بٹھا دیا گیا اوردوتین آدمی بڑے بڑے پنکھے لے کر جھلنے کھڑے ہوگئے، جب ذرا پسینہ خشک ہوگیا اوردم میں دم آ گیا تو دودھ کے شربت کا ایک بھرا ہوا گلاس میں خود لے کر حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں آنے کوتو آ گیا، ورنہ حق یہ ہے کہ شرم کے بارے نگاہ نہیں اٹھتی تھی کہ میری وجہ سے مولانا شبیر احمد صاحب اوردوسرے حضرات کوعموماً اور حضرت الاستاذ کوخصوصاً کس قدر شدید تکلیف پہنچی ہے۔ اسی قسم کی خیالات اوراحساس ندامت وشرمندگی تھا جن سے میں اس وقت دوچار ہورہا تھا۔ اسی عالم میں دودھ کے شربت کا گلاس حضرت الاستاذ کی طرف بڑھایا۔ حضرت میرے چہرے بشرے سے سمجھ گئے، گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا اور خوش مزاجی کے ساتھ فرمایا: **"الا یا ایھا الساقی اَدِرْ کاساً و ناولھا"**

پھر ایک دوگھونٹ لینے کے بعد میری طرف دیکھ کر ذرا تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اور مولوی صاحب: "کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا"

خانوادۂ انوری سے اٹوٹ لگاؤ

علامہ کشمیریؒ کے انتقال کے بعد بھی خانوادۂ انوری سے ان کا رشتہ منقطع نہ ہوا بلکہ موقع بہ موقع فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ سے مکاتبت رکھتے اور بوقت ضرورت ان کی رہنمائی بھی فرماتے تھے۔ جب تک حضرت علامہ کشمیریؒ کی اہلیہ بقید حیات رہیں ان کی خیر خیریت بھی لیتے رہتے۔ جب ۱۹۶۷ء میں ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنے رسالہ ''برہان'' میں ایک مختصر خبری نوٹ لکھا:

''حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ الکشمیر ی کے ہزاروں تلامذہ اور ارادت مندوں کو جو برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ معلوم کر کے بڑا ملال ہوگا کہ حضرت موصوف کی اہلیہ محترمہ جنہیں ہم سب ''اماں جی'' کہا کرتے تھے جون کے آخری ہفتے میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر اس خاکدانِ عالم سے رخصت ہوگئیں، انا اللہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ بڑی خوبیوں اور اعلیٰ صفات و کمال کی خاتون تھیں۔ حضرت شاہ صاحب ایسے شوہر کی وفات کے بعد انہوں نے زندگی میں جس صبر ورضا و استقلال و توکل کے ساتھ بسر کی ہے وہ انہیں کا حصہ تھی۔ کئی برس سے کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا تھیں۔ سعادت مند اولاد نے بڑے سے بڑے علاج معالجہ میں کوئی کسر اٹھا کے نہیں رکھی لیکن وہ کینسر ہی کیا جس سے مریض جاں بر ہو جائے۔ اس مرض میں مرحومہ نے جو غیر معمولی تکالیف برداشت کی ہیں وہ یقیناً ان کے لئے درجۂ شہادت کی ضامن ہیں۔ اپنی اولاد معنوی کے ساتھ وہی تعلق رکھتی تھیں جو خود حضرت الاستاذ کو تھا۔ ان کا نفس وجود ہم لوگو کے لئے سرمایۂ خیر و برکت تھا۔ افسوس اب یہ بھی ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور صدیقین اور شہداء کا مقام عطا ہو۔ آمین''

خلاصۂ کلام

حضرت مولانا اکبر آبادیؒ کا حضرت علامہ کشمیریؒ سے تعلقات ایک وسیع باب ہے، جو کئی دہائیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ علامہ کشمیریؒ پر ان کے مضامین اور ان کی نگارشات اتنے ہیں بلا شبہ سوانح کشمیریؒ کا انہیں ثمن تو کہا ہی جا سکتا ہے۔ بہت سارے واقعات و روایات اور بہت سے اوصاف و کمالات ان ہی کی زبانی الامام کشمیریؒ کے حالات میں قلم بند ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

……✦……

ماہ محرم الحرام

اور مروجہ بدعات وخرافات

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

تیسری صدی ہجری کے جلیل القدر محدث، باکمال مفسر اور عظیم فقیہ امام ابومحمد عبداللہ دارمی (م255ھ) نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک موقع پر اپنے تلامذہ کے روبرو فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب کہ فتنہ تم میں سرایت کر جائے گا، ادھیڑ عمر کے لوگ اسی میں بوڑھے ہو جائیں گے اور بچے جوان ہو جائیں گے، لوگ اسی فتنے کو سنت قرار دے لیں گے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے، تو کہا جائے گا کہ سنت چھوڑ دی گئی، عرض کیا گیا: ایسا کب ہوگا؟ فرمایا: جب تمہارے علما جاتے رہیں گے اور (پڑھے لکھے) جاہلوں کی کثرت ہوگی، تم میں حرف خواں زیادہ اور فقیہ کم ہوں گے، امیر زیادہ اور دیانت دار کم ہوں گے، آخرت والے اعمال سے دنیا سمیٹی جائے گی اور بے دینی کے لیے اسلامی قانون پڑھا جائے گا۔

روایت کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی مدظلہ ارقام فرماتے ہیں: اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک خوف ناک فتنے کا ذکر کیا ہے، جو طویل زمانے تک لوگوں میں رہے گا اور لوگوں پر حاوی ہو جائے گا، جس میں ادھیڑ عمر کے لوگ بوڑھے اور بچے جوان ہو جائیں گے؛ یہ کیا فتنہ ہوگا؟ یہ فتنہ جہالت اور دین سے دوری وبعد کا فتنہ ہوگا، لوگ اس وقت جہالت و بے دینی میں پڑے ہوں گے، حتی کہ ان کو اسلام کا حقیقی چہرہ کیا ہے، معلوم نہ ہوگا، جہالت کی باتوں کو دین سمجھ کر عمل کرتے رہیں گے، ان جہالت کے کاموں میں سے کوئی کام چھوٹ جائے، تو لوگ کہیں گے کہ سنت چھوٹ گئی یا چھوڑ دی گئی؛ یعنی بدعات ورسومات ہی کو دین وشریعت اور سنت سمجھ کر عمل کرتے ہوں گے اور کوئی بات کسی نے ترک کر دی، تو سمجھیں گے کہ دین کی بات ترک کر دی گئی؛ حالاں کہ وہ دین نہیں، دین کے خلاف بات ہوگی۔

آج بہت سے علاقوں میں یہ صورت حال دیکھی جاسکتی ہے، جہاں من گھڑت باتوں اور جاہلانہ رسموں کا نام دین ہے، اگر کوئی امام ان کی اصلاح کے لیے یہ کہہ دے کہ یہ رسم ترک کرو کہ اس کا دین سے تعلق نہیں، تو وہ لوگ مارنے مرنے کو تیار ہو جائیں اور من گھڑت رسموں کو سنت وشریعت سے بڑھ کر دل سے لگائیں گے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک انہی بدعات ورسومات کا نام دین ہے۔(حدیث نبوی اور دور حاضر کے فتنے)

محرم جیسے قابل قدر اور لائق احترام مہینے کے حوالے سے جو بات ہمارے سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں میں بٹھا دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ محرم الحرام نالہ وشیون، ماتم اور تعزیہ داری کا مہینہ ہے اور بہت سے لوگ تو اسے منحوس مہینہ سمجھتے ہیں؛ اسی لیے اس مہینے میں شادی بیاہ اور دیگر تقاریب کو جائز نہیں جانتے اور جب ان سے اس کی وجہ پوچھی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس ماہ کی دس تاریخ کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا؛ لہٰذا یہ مہینہ غم کی یادگار ہے۔

زیر نظر تحریر کا مقصد ماہ محرم الحرام میں رائج مختلف بدعات ورسومات کا جائزہ ہے، جنہیں عوام کی اکثریت دین ہی کا ایک حصہ سمجھ کر پورے اہتمام کے ساتھ عمل کرتی آرہی ہے۔

کیا ماہِ محرم غم کی یادگار ہے؟

شہادت سیدنا حسینؓ اگرچہ اسلامی تاریخ کا بہت بڑا سانحہ ہے؛ لیکن یہ صرف ایک واقعہ نہیں، جس کی یاد محرم سے وابستہ ہے؛ بلکہ محرم میں کئی دیگر تاریخی واقعات بھی رونما ہوئے ہیں، جن میں سے اگر چند ایک افسوس ناک ہیں تو کئی مواقع ایسے بھی ہیں جن پر بارگاہ ایزدی میں شکر بجالانے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلمنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی میں عاشورا کے دن شکرانے کا روزہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن موسیٰ عزوجل تعالیٰ کو فرعون سے نجات دی تھی۔ اگر اتفاق سے شہادتِ حسینؓ کا المناک واقعہ بھی اسی ماہ میں واقع ہو گیا تو بعض دیگر جلیل القدر صحابہؓ کی شہادت بھی تو اسی ماہ میں ہوئی ہے۔

مثلاً خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اسی ماہ کی یکم تاریخ کو حالت نماز میں ابولؤلؤ فیروز نامی ایک غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ لہٰذا شہادتِ حسینؓ کا دن منانے والوں کو ان کا بھی دن منانا چاہیے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام اسی طرح دن منانے کی اجازت دے دے تو سال کا ہر مہینہ اور مہینے کا ہر دن ماتم وسوگ کا بن جائے؛ کیوں کہ تاریخی اعتبار سے ہر دن کسی نہ کسی کی شہادت ووفات کا ہونا یقینی ہے۔

محرم الحرام کو منحوس سمجھنا

ماہ محرم کی رسومات میں سوگ منانا، اسے منحوس سمجھنا اور کوئی خوشی کی تقریب انجام نہ دینا سرفہرست ہے۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو دین اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اسلام میں) نہ بیماری کا متعدی ہونا ہے (زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا اعتقاد تھا کہ جو شخص بیمار کے ساتھ کھاتا پیتا ہے تو اس کی بیماری اس کو بھی لگ جاتی ہے) اور نہ بدفالی ہے (عرب کی عادت بدشگونی کی تھی، جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے، اگر وہ دائیں جانب جاتا تو نیک شگون لیتے، اگر وہ بائیں جانب جاتا تو بدشگونی لیتے) اور نہ ہامہ ہے (یہ پرندے کا نام ہے، جاہلیت میں لوگوں کا زعم باطل تھا کہ یہ مقتول کی ہڈیوں سے پیدا ہوتا ہے اور فریاد کرتا ہے میری پیاس بجھا دو، یہاں تک کہ اس کا قاتل مارا جائے) نہ صفر ہے (ماہ صفر کے بارے میں عرب کا یہ اعتقاد تھا کہ اس میں حوادث وآفات کا نزول ہوتا ہے۔) (مسلم شریف) جس طرح جاہلی دور میں لوگ صفر کے مہینہ کو منحوس سمجھتے تھے اور طرح طرح کے توہمات کا شکار تھے، آج کے زمانے میں کچھ ناسمجھ لوگ، بالخصوص بڑی بوڑھی خواتین صفر کے ساتھ محرم کو بھی جوڑ لیتی ہیں اور اس محترم مہینہ کو بھی منحوس سمجھنے لگتی ہیں؛ حالاں کہ دین اسلام کی رو سے ماہ وسال میں کوئی نحوست نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کسی مخصوص مہینے کو منحوس سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔

نوحہ کرنا

محرم کے مہینہ میں عاشورا کے دن حضرت حسین اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شہادت کے غم میں نوحہ اور ماتم کرنے کا رواج عام ہو چکا ہے، جب کہ دین اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے؛ بلکہ علمائے کرام نے بہ چند وجوہ اسے ناجائز قرار دیا ہے:

شریعت مطہرہ میں رنج لاحق ہونے یا عزیز واقارب کے فوت ہونے پر صبر کی تلقین کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر صبر وتحمل کا حکم دیا ہے اور اس کے فضائل وانعامات بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد باری ہے: جو صبر کرنے والے ہیں، ان کو بے شمار ثواب ملے گا۔ (سورۂ زمر) نیز صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اور صابرین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ہدایت، نصرت اور فتح ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۂ

بقرہ)احادیث میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مصائب، بالخصوص اموات پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے، یہ ساری صورت حال کسی مسلمان سے مخفی نہیں۔اس لیے نوحہ اور ماتم کرنا صبر کے خلاف ہے۔

شریعت نے اپنے عزیز کی وفات پر اعتدال کے ساتھ غم زدہ رہنے کی اجازت دی ہے، اس میں آنسو بہانا صبر وتحمل کے خلاف نہیں، بلکہ غم کا تقاضا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند کے انتقال پر اسی طرح اظہارِ غم فرمایا ہے؛ البتہ بلند آواز سے رونا چیخنا، چلانا، جسم یا چہرے کو پیٹنا، گریبان چاک کرنا؛ یہ تمام ایسے امور ہیں جن سے شریعت منع کرتی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں ایسی ہیں جو کفر ہیں: ایک تو نسب میں طعنہ دینا اور دوسری چیز میت پر نوحہ کرنا۔(مسلم شریف)

ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دو احمق اور فاجر آوازوں سے منع کیا ہے: ایک تو مصیبت کے وقت چیخنا، چہرہ نوچنا اور گریبان پھاڑنا اور دوسری شیطانی مرثیہ خوانی۔(ترمذی شریف)

معلوم ہوا کہ نوحہ کرنا اسلام میں ناجائز اور حرام ہے۔

دس محرم کو شربت تقسیم کرنا

شربت پینا یا پلانا اپنی ذات میں ایک مباح امر ہے؛ مگر خاص طور پر دسویں محرم کو شربت تقسیم کرنا کتاب وسنت اور اسلاف امت سے ثابت نہیں ہے، یہ صرف روافض اور دشمنانِ اسلام کا طریقہ ہے، اس کو کارِ خیر اور ضروری سمجھنا ناجائز اور مداہنت فی الدین ہے۔ اگر اہل بیت کے غم میں اور ایصالِ ثواب کے لیے کیا جاتا ہے، تو شربت پلا کر غم منانا یا ایصالِ ثواب کرنے کا کوئی معنی نہیں، کیوں کہ اس دن اہل بیت پیاس سے پریشان تھے، لہٰذا خاص طور پر دسویں محرم کو شربت پلانے سے اہل بیت کے ساتھ دشمنی اور مخالفت واضح ہو جاتی ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم، کتاب العقائد: 1/622)

مزید یہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کھانے پینے کے بجائے روزہ رکھنے کو مستحب قرار دیا ہے؛ اس لیے شربت پینے پلانے کے بجائے روزہ رکھ کر ثواب کمانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

تعزیہ بنانا

تعزیہ داری و تعزیہ سازی وفات نبوی کے سیکڑوں سال بعد روافض کی ایجاد ہے، جس کی تقلید بعض سنی کہلانے والے بدعت پسند حلقوں نے بھی کی ہے اور اس میں ان اہل بدعت نے بہت سارے اضافے بھی کر لیے ہیں، جو صرف بدعت ہی نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر بعض امور شرک و بت پرستی کے ضمن میں

آجاتے ہیں:

تعزیہ میں روح حسین کے موجود ہونے کا عقیدہ رکھا جاتا ہے اور انہیں عالم الغیب سمجھا جاتا ہے، تب ہی تو لوگ ان کو قابل تعظیم سمجھتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں، حالاں کہ کسی بزرگ کی روح کو حاضر و ناظر جاننا اور عالم الغیب سمجھنا شرک کے مرادف ہے، قرآن مجید میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ حاضر و غائب کو جاننے والا صرف رب کائنات ہے، اس کے علاوہ دنیا میں کسی کو تمام مغیبات کا علم نہیں۔

تعزیہ پرست تعزیہ کے سامنے سر جھکاتے ہیں، جو سجدے ہی کے ذیل میں آتا ہے اور کتنے لوگ تو ایسے ہیں جو کھلم کھلا سجدہ ہی بجالاتے ہیں اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا، چاہے وہ تعبدی ہو یا تعظیمی، شرک ہی کی ایک شکل ہے۔

تعزیہ پرست تعزیوں سے اپنی مرادیں اور حاجات طلب کرتے ہیں، جو ناجائز ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی قاضیٔ حاجات نہیں، وہی مدد طلب کرنے کے لائق ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی دیگر برائیوں اور خرافات و بدعات کے پیش نظر تمام علمائے سلف نے تعزیہ داری کو حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔

کچھ لوگ محرم کی دس تاریخ کو میلہ بھی لگاتے ہیں اور جنگی کھیل تماشہ بھی دکھلاتے ہیں، جو بدعات و خرافات کے قبیل سے ہے، اس قسم کی بدعات کا حضرت حسین بن علی □ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے واقعہ کربلا سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، واقعہ کربلا کے سیکڑوں سال بعد یہ بدعات کے مجموعے والا تہوار و تماشہ ایجاد کیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام

آج ضرورت ہے اِس بات کی کہ محرم الحرام کی آمد پر ہم اِس کی عظمت وفضیلت سے فائدہ اُٹھا کر زیادہ سے زیادہ اللہ جل شانہ کی عبادت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت میں اپنا وقت گزاریں اور اِس میں رونما ہونے والے عظیم الشان واقعات سے نصیحت وعبرت حاصل کریں کہ اسلامی سال کا یہ پہلا مہینہ محرم الحرام عبادت، عبرت اور قربانیوں کا مہینہ ہے، اِس کی عظمت کا تقاضا ہے کہ ہم اس میں اعمال صالحہ، بالخصوص روزہ رکھنے کا اہتمام کریں، نیز ہر قسم کے محرمات ومنکرات، خرافات ورسومات اور بدعات و معاصی سے مکمل اجتناب کریں۔ حق تعالی توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین

مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت واہمیت

مولانا ابوبکر حنفی شیخوپوری

مسجدِ اقصیٰ تینوں آسمانی مذاہب ، یہودیت ،عیسائیت اور اسلام کے ماننے والوں کے ہاں بہت زیادہ اہمیت وعظمت رکھتی ہے۔اسلام میں اسے حرم کا درجہ حاصل ہے،اس کا شمار مقدس مقامات میں ہوتا ہے، آیاتِ قرآنیہ،احادیثِ نبویہ اور تاریخ کی معتبر روایات کی روشنی میں اس کے فضائل، مسائل،تاریخی خدوخال اور جغرافیہ وغیرہ کے اعتبار سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

مسجد کے اسماء اور وجوہِ تسمیہ: اس عظمت وحرمت والے مقام کو ''مسجدِ اقصیٰ'' اور ''بیت المقدس'' کہا جاتا ہے، مسجدِ اقصی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اقصی کے معنی دوری کے آتے ہیں اور یہ مسجد بھی مسجدِ حرام سے بہت زیادہ فاصلے پر ہے اور بیت المقدس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تفسیر جمل میں نقل کیا گیا ہے کہ مقدس کا معنی ہے پاکیزہ اور مطہر چیز اور اس مسجد کو بھی اللہ نے غیر اللہ کی عبادت سے پاک کیا ہے،اس میں بتوں اور مجسموں کی عبادت نہیں کی جاتی۔ یہاں کے مقامی باشندے اسے '' حرم قدسی شریف'' کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔

محل وقوع: مسجدِ اقصی ملکِ فلسطین میں واقع ہے اور فلسطین کے جس شہر میں ہے وہ دو حصوں میں منقسم ہے،ایک جدید شہر ہے اور ایک قدیم ۔قدیم شہر کو'' یروشلم'' بھی کہتے ہیں اور ''القدس'' بھی، مسجدِ اقصی اور دیگر مقدس مقامات،مثلاً انبیاء کی یادگاریں ،حجرے اور گذشتہ قوموں کے آثار اسی قدیم شہر میں موجود ہیں،اس قدیم شہر کا چاروں طرف سے سولہ سو میٹر لمبی پتھر کی دیوار کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے جس میں نو بڑے بڑے دروازے ہیں۔

سرزمینِ شام کی فضیلت: شام ایک بہت بڑا ملک تھا اور قدیم جغرافیائی تقسیم کے مطابق فلسطین الگ ملک کی حیثیت سے خطہ ارض پر موجود نہیں تھا بلکہ ملکِ شام ہی کا ایک حصہ تھا،فلسطین کے علاوہ اردن ،لبنان ،مقبوضہ فلسطین (موجودہ اسرائیل) بھی شام کی حدود میں پڑتے تھے،اللہ تعالی نے جس طرح مسجدِ اقصی کو عظمتوں اور برکتوں سے نوازا اسی طرح سرزمین شام جس میں مسجدِ اقصی واقع ہے اس کو بھی بڑا مقام و

مرتبہ عطا کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی ہے، چناں چہ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شام اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔(صحیح بخاری)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "شامنا" یعنی ہمارا شام کہہ کر اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے جس سے اس کی عظمت دو چند ہوگئی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: ملکِ شام کے لیے مبارک ہو، ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کس وجہ سے؟ ارشاد فرمایا: رحمن کے فرشتے اس کے اوپر پر پھیلائے ہوئے ہیں۔(ترمذی)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: یاد رکھو! جب فتنے آئیں گے تو ایمان ملکِ شام میں ہوگا۔(مجمع الزوائد)

مسجدِ اقصی کی فضیلت: مسجدِ اقصی روئے زمین پر موجود مقدس مقامات میں سے ایک اہم ترین مقام ہے، جہاں ہزاروں سال بعد بھی نمازِ پنج گانہ، جمعہ، عیدین، اعتکاف، درس وتدریس اور تمام عبادات کا سلسلہ جاری ہے، اس کی روحانی، وجدانی اور نورانی فضاؤں میں آج بھی مسلمان کچھ لمحات گزار کر اپنی تسکینِ قلبی کا سامان کرتے ہیں۔ مسجدِ اقصی کی فضیلت کے بہت سے پہلو ہیں، جن سے اس کی تقدیس عیاں ہوتی ہے، چند ایک پہلو ذیل کی سطور میں درج کیے جاتے ہیں۔

خاص ثواب کی نیت سے سفر: مسجدِ اقصی کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا شریعت میں مندوب اور مطلوب ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (خاص ثواب کی نیت سے) صرف تین مسجدوں کی طرف رختِ سفر باندھا جاسکتا ہے، وہ مسجدِ حرام، میری مسجد (مسجدِ نبوی) اور مسجدِ اقصی ہے۔(صحیح مسلم)

یعنی نماز کے ثواب کے اعتبار سے تمام مساجد برابر ہیں، کسی مسجد کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں، لہٰذا کسی مسجد کی طرف خصوصی ثواب کا اعتقاد رکھ کر سفر کرنا جائز نہیں، البتہ یہ تین مساجد اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

دنیا کی دوسری مسجد: مسجدِ اقصی کو یہ خصوصی اعزاز بھی حاصل ہے کہ مسجدِ حرام کے بعد تعمیر کے اعتبار سے خطہ ارض پر یہ دوسری مسجد ہے، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی؟ آپ نے فرمایا: مسجدِ حرام۔ میں نے پھر سوال کیا: اس کے بعد کون سی مسجد تعمیر کی گئی؟ ارشاد فرمایا: مسجدِ اقصی۔ میں نے عرض کیا: ان دونوں میں کتنا (زمانی) فاصلہ ہے؟ ارشاد فرمایا: چالیس سال۔(سنن نسائی)

نماز کے ثواب میں اضافہ: مسجدِ اقصی میں نماز پڑھنے کا ثواب عام مسجدوں سے زیادہ ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مسجد (مسجدِ نبوی) میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب مسجد اقصی کی چار نمازوں سے زیادہ ہے اور وہ بہت اچھی نماز کی جگہ ہے، عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ اگر لوگوں کو گھوڑے کی ایک لگام کے برابر بھی جگہ مل جائے جس سے وہ مسجدِ اقصی کی زیارت کرسکیں تو وہ اس زیارت کو ساری دنیا سے بہتر سمجھیں گے۔ (مستدرکِ حاکم)

ایک حدیث میں ہے کہ مسجدِ اقصی میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

مقامِ حشر: مسجدِ اقصی جس جگہ پر واقع ہے، اس جگہ روزِ قیامت تمام لوگوں کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں آگاہ کیجیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ سرزمین (جہاں بیت المقدس ہے) حشر کی جگہ ہے۔ (ابن ماجہ)

سفرِ معراج کی ایک منزل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج آسمانی سفر سے پہلے بذریعہ براق زمینی سفر فرمایا، اس سفر کی ابتدا بیت اللہ سے فرمائی اور راستے میں کئی جگہ پڑاؤ کیا، آخری پڑاؤ بیت المقدس میں فرمایا، اس کے بعد زمین سے آسمان کی طرف سفر شروع فرما دیا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس براق لایا گیا، یہ ایک سفید رنگ کی لمبی سواری تھی، گدھے سے کچھ بڑی اور خچر سے کچھ چھوٹی تھی، جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں اس کے قدم پڑتے تھے، میں اس پر سوار ہوا، یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گیا، وہاں پہنچ کر سواری کو اس حلقے سے باندھ دیا جس حلقے سے دوسرے انبیاء (علیہم السلام) باندھا کرتے تھے، پھر میں نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعات ادا کیں اور باہر نکل آیا، جبرائیل میرے پاس دو برتن لائے، ایک میں دودھ اور ایک میں شراب تھی، میں نے اس میں سے دودھ والا برتن لے لیا، جبرائیل نے کہا: آپ نے فطرت کو پسند فرمایا، اس کے بعد وہ مجھے آسمان کی طرف لے گئے۔ (صحیح مسلم)

مسلمانوں کا قبلہ اول: نماز میں جب تک بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم نہیں آیا تھا تب تک مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے سولہ یا سترہ مہینے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں، پھر کعبۃ اللہ کو ہمارے لیے قبلہ مقرر کر دیا گیا۔ (صحیح بخاری)

انبیاء اور اولیاء کا مسکن: مسجدِ اقصیٰ کو ہزاروں نبیوں اور اولیاء اللہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے، خدا کے نیک بندے اپنی روحانی تسکین کے لیے یہاں وقت گذارا کرتے تھے، بہت سے انبیاء کو اسی مسجد میں منصبِ نبوت سے نوازا گیا، حضرت مریم علیہا السلام کے والد حضرت عمران اسی مسجد کی امامت وخطابت اور تولیت کے فرائض سرانجام دیتے رہے، ان کے بعد یہ ذمہ داری حضرت زکریا علیہ السلام نے اٹھائی، حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کے اول روز سے ہی ان کی والدہ حضرت حنہ انہیں مسجد اقصیٰ کے منتظمین کے حوالہ کر آئیں، جہاں حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی پرورش کی جو رشتے میں ان کے خالو لگتے تھے۔ یہیں بیت المقدس کے حجرے میں حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ سے بیٹے کا سوال کیا، اللہ تعالی نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خوش خبری دی، تمام انبیائے کرام علیہم السلام معراج کی شب یہاں تشریف لائے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امت فرمائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے چچازاد بھائی حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام نے عراق کے شہر بابل سے یہیں ہجرت فرمائی۔ اسی بنا پر مسجدِ اقصیٰ کو سرزمینِ انبیاء کہا جاتا ہے۔

دجال سے حفاظت: مسجدِ اقصیٰ کے تقدس کے پیشِ نظر اس میں دجال کو داخلے کی اجازت نہ ہوگی اور وہ اپنے ناپاک قدموں سے اس پاک گھر کو آلودہ نہیں کر سکے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: دجال زمین میں پھرے گا، مگر چار مسجدوں تک نہ جا سکے گا، وہ مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، مسجدِ طور اور مسجدِ اقصیٰ ہیں۔ (طبرانی)

انبیاء کے ہاتھوں تعمیر: مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کا عمل انبیائے کرام کے مبارک ہاتھوں سرانجام پایا، بعض اہلِ علم نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس مسجد کا بانی قرار دیا ہے لیکن سب سے درست اور قرینِ قیاس قول یہ ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کی مدد سے تعمیر کروایا ہے، جب کہ اس کی تعمیر کی تجویز حضرت سلیمان علیہ السلام کے والدِ بزگوار حضرت داؤد علیہ السلام نے دی اور ان کی بزرگی اور شرافت کی وجہ سے انہیں سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنگِ بنیاد رکھوایا، حدیث میں ہے: حضرت داؤد علیہ السلام بیت المقدس کی بنیادیں پتھروں سے بھر رہے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں مکمل کرواؤں گا۔ (مستدرکِ حاکم)

……◆……

قانون کا بنیادی مقصد!

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

اہم ترین مقصد عدل وانصاف کو بروئے کار لانا اور انسانیت کو ظلم وجور اور بہیمیت ودرندگی کے چنگل سے نجات دلانا ہوتا ہے، لیکن اگر خود قانون کجروی اور درندگی کی آماجگاہ بن جائے، قانون ساز اداروں پر ظلم پیشہ درندوں کا تسلط ہوجائے اور وہ اپنی پست اور گھٹیا خواہشات کے مطابق اندھا دھند قانون سازی کرنے لگیں تو ظاہر ہے کہ 'قانون' حفاظتِ عدل کے بجائے ظلم وعدوان کا پشتیبان اور پاسبان بن کر رہ جائے گا۔ اس خطرہ سے بچنے کے لیے ضرورت ہوگی کہ ''عدل'' کا مفہوم متعین کیا جائے اور اُسے ''ظلم وعدوان'' سے ممتاز کیا جائے۔ ''عدل'' کیا ہے؟ اور ''ظلم'' کسے کہتے ہیں؟ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کے بغیر قانون کا سارا دفتر لغویت وہذیان کا پلندہ بن کر رہ جاتا ہے اور ہمیں یہ سن کر حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے اعلیٰ ترین مفکر اور ماہرینِ قانون ''عدل'' کا ایسا مفہوم متعین کرنے سے عاجز ہیں، جو تمام انسانیت کے لیے یکساں قابل قبول ہو اور جو شخص یہ نہیں جان سکتا کہ ''عدل'' کیا ہے؟ آخر کس قانون سے اُسے قانون سازی کا حق حاصل ہے؟ ایک حق تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے جس کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے اور جس کی رحمت ساری انسانیت بلکہ کائنات کے لیے عام ہے، انسانوں کے کسی خاص گروہ سے اس کا مفاد وابستہ نہیں، وہی انسانیت کے لیے ''عدل'' کا ٹھیک ٹھیک مفہوم متعین کرسکتا ہے اور اسی کا نازل کردہ قانون ''قانونِ عدل'' کہلانے کا مستحق ہے۔ قانونِ الٰہی کے سوا دنیا کے خود تراشیدہ قانون نہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرسکتے ہیں، نہ انسانیت کو ظلم وستم کے آہنی پنجے سے نجات دلاسکتے ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ'' (الحدید:۲۵)

ترجمہ: ''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کے ترازو کو نازل کیا، تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں''۔

جرم اور سزا کے درمیان وہی رشتہ ہے جو مرض اور دوا کے درمیان ہے۔ ایک ماہر طبیب مرض کی

نوعیت، اس کے اسباب وعوارض اور اس کے آثار ونتائج کو سمجھتا ہے، مریض کی عادات ونفسیات کا بغور مطالعہ کرتا ہے، اس کے محلِ بود و باش اور تقاضائے سن وسال کو سوچ سمجھ کر اس کے لیے نسخہ تجویز کرتا ہے، طریقۂ استعمال بتاتا ہے، غذا و پرہیز کی بابت ہدایات دیتا ہے۔ لیکن ایک عطائی کو ان چیزوں سے سروکار ہے نہ اہلیت، اس نے کہیں سے سن لیا کہ فلاں مرض کے لیے فلاں دوا مفید ہے، بس! وہ دوا اٹھائی اور لوگوں کو دینا شروع کر دی، اس کے بعد مریض کی قسمت کہ وہ جیے یا مرے۔ انسانیت کے سب سے بڑے امراض وجرائم اور اُن کا علاج جرائم انسانیت کے سب سے بڑے امراض ہیں اور قانون کے ذریعہ ان امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ قانون کا سب سے مشکل مرحلہ جرم اور سزا کے درمیان توازن کا قائم کرنا ہے اور ایسی ترازو دنیا کے کسی کارخانے میں تیار نہیں ہوتی، جس سے جرم کے آثار ونتائج کا وزن کر کے اس کے ہم وزن سزا تجویز کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی قانون کی تمام تر درازدستیوں کے باوجود ''مہذب ممالک'' میں گھناؤنے جرائم کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہے اور جب تک دنیا اس ''انبیائی میزان'' کے مطابق جرم وسزا کا موازنہ نہیں کرتی، اُس وقت تک انسانیت پر جنگل کا قانون نافذ رہے گا اور انسانیت ظلم وعدوان کے پنجے میں سسکتی بلکتی رہے گی۔ یہی میزانِ نبوت ہمیں بتاتی ہے کہ ''زنا'' اپنے اندر تعفن اور گندگی کی کتنی مقدار رکھتا ہے اور اس کا علاج کتنے پتھروں یا کوڑوں سے ہونا چاہیے اور کسی کے مال پر ناجائز ہاتھ ڈالنا کتنا بڑا معاشرتی روگ ہے اور اس کا علاج صرف ''ہاتھ کاٹنے'' سے ہوسکتا ہے۔ جو شخص فالج کا علاج کونین سے اور موتیابند کی تدبیر ''اسپرو'' سے کرنا چاہتا ہے، وہ جاہل مریض کا دوست نہیں دشمن ہے اور جو شخص قتل کا علاج اتنے سال کی قید سے اور ڈکیتی کا علاج اتنے ماہ کی قید سے کرنا چاہتا ہے، وہ قانون ساز نہیں، انسانیت کا قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مہذب ممالک کے جیل خانے جرائم کی تربیت گاہ بن کر رہ گئے ہیں۔ مجرم جب سزا کاٹ کر واپس آتے ہیں تو مرضِ جرم سے شفایاب ہو کر نہیں نکلتے، بلکہ عادی مجرم بن کر آتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ! اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا کامل ومکمل آخری قانون خدائے برتر کا آخری قانون اپنی جامع اور کامل ترین صورت میں حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، اس نے انسانیت کے لیے عدل وانصاف، مودت ورحمت، ہمدردی وخیر خواہی، اُخوت ومواسات اور سکون واطمینان کی وہ فضا پیدا کی، جس کی مثال چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ یہ ایک ایسا خودکار نظام تھا جس کی بدولت اول تو جرائم کی تعداد گھٹتے گھٹتے صفر کے نقطہ تک پہنچ گئی تھی اور کبھی سہو یا بشریت کی بنا پر کوئی جرم کسی سے صادر ہو ہی جاتا تو مجرم خود ہی "طَهِّرْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ!" (یا رسول اللہ! مجھے سزا دے کر پاک کر دیجئے!) کا نعرہ لگاتے ہوئے عدالت کے کٹہرے میں حاضر ہوتا، اور جب تک عدالتِ نبوت اس کے

بارے میں کوئی فیصلہ نہ کردیتی، اس کے ضمیر کی خلش، ایمان کی حرارت اور محاسبۂ آخرت کی فکر اُسے مسلسل بے چین کیے رکھتی۔ نہ کسی کو کسی سے شکایت، نہ کوئی طبقاتی مسئلہ، نہ کوئی اقتصادی الجھن، نہ کوئی سیاسی آویزش۔ کیا آج کا ترقی یافتہ لیکن بے حد مظلوم انسان اس کا تصور بھی کرسکتا ہے؟ یہ تھی اسلامی شریعت! جس نے دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''قَدْ جِئْتُكُمْ بِالسَّمْحَةِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ۔''

(ابن ماجہ، ص: ۲، ط: قدیمی)

ترجمہ: ''میں تمہارے پاس ایسی آسان اور روشن شریعت لایا ہوں، جس کے رات دن یکساں روشن ہیں۔''

پاکستان اس مقصد کے لیے معرض وجود میں آیا تھا کہ اُسے ''دار الأمن والإیمان ومهد السلامة والإسلام'' ایمان واسلام کا گھر اور امن وسلامتی کا گہوارہ بنایا جائے گا۔ ''لا إله إلا الله'' کا واسطہ دے کر ہم نے خدا اور رسول سے، نیز دس کروڑ مسلمانوں سے عہد کیا تھا کہ اس ''مملکتِ خداداد'' کا آئین اسلام ہوگا، ہماری اجتماعی زندگی کا ایک ایک شعبہ اسلام کے زیرنگیں ہوگا، ہم اپنے سفرِ حیات کی ایک ایک لائن کو شریعتِ محمدیہ کے صراطِ مستقیم پر لائیں گے اور آج کی دُکھ بھری دنیا کو بتائیں گے کہ تم جس متاعِ گم گشتہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی سے آج بھی مل سکتی ہے۔ اگر ہمارے اربابِ اقتدار نفاق ورزی سے کام نہ لیتے اور امتِ مسلمہ کے ساتھ ساتھ خدا اور رسول کو بھی صرف وعدوں اور لیکچروں سے نہ بہلاتے تو یہ ملک واقعۃً اسلام اور سلامتی کا گہوارہ اور پوری دنیا کے لیے مثالی نمونہ ہوتا، پاکستان کی اعلیٰ قیادت ایک نئی دنیا کی معمار ہوتی اور آج عالمِ اسلام کا نقشہ یقینا کچھ اور ہوتا۔ مگر یہاں بائیس سال سے جو کچھ ہوا اور اس کی جو قیمت پوری قوم کو ادا کرنا پڑی اور ہم اس کے نتیجہ میں جو خود غرضی، افراتفری، افتراق وانتشار اور ذلت ونکبت کا شکار ہوئے، اس کا تذکرہ رنج والم اور ندامت وخجالت کا موجب ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مقصد اسی وقت پورا ہوسکتا ہے اور اسلامی مملکت کا خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے، جبکہ یہاں اسلامی آئین نافذ ہو اور اسلامی شریعت اور خدائی قانون کو زندگی کے تمام شعبوں میں جاری کیا جائے، عدلیہ میں قرآن وسنت اور فقہِ اسلامی کے مطابق فیصلے کیے جائیں، حدود اللہ کا اجراء کیا جائے۔ اسلامی قانون، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی میں مدون ومرتب موجود ہے، صدیوں اس پر عمل ہوتا رہا ہے، وہ آج بھی نافذ کیا جاسکتا ہے۔ کسی ملک کے دارالاسلام بننے کا مدار کس چیز پر ہے؟ تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ کسی خطۂ زمین کے دارالاسلام بننے کا مدار اس بات پر نہیں کہ وہاں

مسلمانوں کی آبادی کا تناسب کیا ہے، بلکہ اس کا مدار قانونِ اسلام کے نفاذ پر ہے۔ جس ملک میں برسرِ اقتدار طبقہ کی جانب سے عوام کو اسلامی قانون کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کا موقع نہ دیا جائے، جہاں کفر اور جاہلیت کا آئین وقانون مسلط ہو اور جہاں کے بے بس عوام مسلسل احتجاج کے باوجود خدائی قانون کے بجائے طاغوتی قانون کے مطابق اپنے مقدمات فیصل کرانے پر مجبور ہوں، اُسے ہزار بار مسلمانوں کا ملک کہہ لیجئے، لیکن اُسے حقیقی معنی میں اسلامی مملکت اور دارالاسلام کہتے ہوئے حیا آتی ہے۔ ''اسلام کے گھر'' میں بھی اگر اسلام کو قدم ٹکانے کی اجازت نہ ہو تو وہ مسلمانوں کا گھر تو ہوسکتا ہے، لیکن کیا دنیا کا کوئی عقلمند اُسے ''اسلام کا گھر'' مان لے گا؟ پاکستان اگر واقعی ''دارالاسلام'' اسلام کا گھر ہے تو یہاں کے دس گیارہ کروڑ فرزندانِ اسلام اور اس کے قائدین سے اپیل بے جا نہ ہوگی کہ خدا کے لیے اس گھر میں اسلام کو قدم رکھنے کی جگہ دیجیے اور اُسے اپنے گھر کی اصلاح کرنے دیجیے۔

اسلام کیا ہے؟ بعض حضرات کی زبانِ فیض ترجمان سے ''اسلامی اقدار''، ''اسلامی اصول''، ''اسلامی نظریۂ حیات'' اور ''اسلامی مساوات'' جیسے مبہم الفاظ وقتاً فوقتاً سننے میں آتے ہیں۔ یہ تعبیر بڑی غلط فہمی اور تلبیس کا موجب ہوسکتی ہے۔ اسلام صرف چند مبہم اصولوں یا اعلیٰ اخلاقی قدروں کا نام نہیں، بلکہ وہ عقائد، عبادات، معاملات، تعزیرات اور اخلاق کے تفصیلی قوانین کا مجموعہ ہے۔ اسلام اگر زنا، چوری، ڈکیتی، قتل، شراب نوشی جیسی گھناؤنی حرکات کو جرائم قرار دیتا ہے تو ان کے انسداد کے لیے ایک مفصل تعزیراتی نظام بھی دیتا ہے۔ وہ جہاں معاشی تحفظ کا وعدہ دیتا ہے، وہاں اقتصاد ومعاش کی جائز اور ناجائز صورتیں بھی بتاتا ہے۔ اگر وہ معاملات میں عدلِ اجتماعی پر زور دیتا ہے تو اس کے لیے ایک دیوانی قانون بھی رکھتا ہے۔ اگر وہ اصلاحِ معاشرہ کی ذمہ داری لیتا ہے تو اس کے لیے ایک کامل نظام ہدایت بھی دیتا ہے۔

الغرض زندگی کا کون سا گوشہ ہے، جس کے لیے اسلام نے تفصیلی قوانین وضع نہ کیے ہوں۔ ''دار الاسلام'' وہی ہوسکتا ہے اور اسلامی مملکت وہی ہوسکتی ہے جہاں اسلام کی ہمہ گیر فرماں روائی ہو اور جہاں اسلام کے وہ تمام احکام وقوانین جاری ہوں جن کی تفصیلات کتاب وسنت اور فقہِ اسلامی میں موجود ہیں اور جن پر آنحضرت ﷺ کے عہد سے لے کر زوالِ خلافت کے آخری دور تک عمل ہوتا رہا ہے۔ جو لوگ ''اسلام'' کا نام لیتے ہوئے شرماتے ہیں اور صرف اسلامی اصول اور اسلامی مساوات جیسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں، ان کے بارے میں یہ اندیشہ غلط نہیں کہ وہ اسلام کے نام پر ''جاہلیت جدیدہ'' لانا چاہتے ہیں۔ یکم جنوری سے شروع ہونے والا نیا سال ملک میں نئے انقلاب اور نئی تبدیلیوں کا پیغام لا رہا ہے۔ پردۂ غیب سے کیا کچھ طلوع ہوگا؟ اس کا ٹھیک علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، تاہم حالات کی نزاکت

بتاتی ہے کہ اس موقع پر ادنیٰ غفلت اور معمولی لغزش بے حد تباہ کن اور سنگین نتائج کی حامل ہوگی۔ اس لیے ضروری ہے کہ قوم کا ایک ایک فرد یہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے کہ مجھے کل اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی جواب دہی کرنا ہوگی۔

اگر خدانخواستہ وقت کی نزاکت کا صحیح احساس نہ کیا گیا اور جس مقصد کی خاطر پاکستان بنا تھا، اُسے پس منظر میں ڈال دیا گیا تو اس کا خمیازہ پوری قوم کو دنیا وآخرت میں بھگتنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی ذمہ داری مارشل لاء حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ موجودہ حکومت کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ اس نے قوم کے تمام طبقات کے لیے اطمینان بخش پالیسی اختیار کی ہے، اسے اس سے آگے بڑھ کر ایسی پالیسی بھی اختیار کرنی چاہیے، جس سے اللہ اور رسولؐ خوش ہوجائیں اور ایسے اقدامات بھی کرنے چاہئیں جس سے اسلامی نظام کے قیام کے امکانات روشن ہوں اور حکومت کو رضائے خداوندی کا تمغہ ملے۔ دوسری ذمہ داری طبقۂ علماء پر عائد ہوتی ہے کہ تمام نزاعات کو بالائے طاق رکھ کر کامل یکسوئی، جانفشانی اور للّٰہیت کے ساتھ قوم کا ذہن اسلام کے سایۂ رحمت کے لیے تیار کریں۔

تیسری ذمہ داری قوم کے قائدین اور سیاست دانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ فروعی اور علاقائی نعروں کو چھوڑ کر صرف اسلام کے لیے کام کریں۔ سب سے آخری اور عظیم ذمہ داری مسلم عوام پر عائد ہوتی ہے کہ وہ صرف اسلام کے لیے اپنا ''حق رائے دہی'' استعمال کریں۔

یہ گزارشات نہایت اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ اے اللہ! ہماری حالتِ زار پر رحم فرما اور ہمیں ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جس سے تو راضی ہو اور ہمیں ایسی حرکات سے بچائیو، جو دنیا وآخرت میں تیرے غضب کا موجب ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ

صفوۃ البریۃ محمد و آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

……✦……

علمائے دیوبند کی
دس اردو تفاسیر کا مختصر تعارف

مولانا بدرالاسلام قاسمی
استاذ جامعہ ھٰذا

بیان القرآن (۳؍جلدیں): علمائے دیوبند میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا نام اس مقام و مرتبے پر ہے کہ جس کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ ایک جملے میں اگر حضرت کے مقام کو واضح کیا جائے تو دارالعلوم کے ایک سابق استاذ کے بقول ''دارالعلوم کے فخر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے اشرف علی تھانوی کو پیدا کیا ہے۔''

تفسیر، حدیث، فقہ وفتاویٰ، اصول فقہ، تصوّف وسلوک، وعظ ونصیحت، اصلاحِ عوام وخواص کون سا موضوع ہے جس پر حضرت کی کوئی تحریر موجود نہ ہو، چھوٹے چھوٹے رسالوں، مکتوبات اور بعض مرتبہ ایک مختصر فقرے میں وہ ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو سینکڑوں صفحات کا خلاصہ ہوتی ہے۔ بس یہی انداز ان کی اس تفسیر میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے، جس میں قرآن کریم کی نہایت مختصر اور جامع تشریح کی گئی ہے، درمیان میں تصوّف وسلوک کے پُرلطف نکات کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ اس کے اختصار اور جامعیت کی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اردو تفاسیر میں بیان القرآن کو وہی مقام حاصل ہے جو عربی تفاسیر میں جلالین شریف کو حاصل ہے، کتاب کی زبان چوں کہ خالص علمی ہے اس لیے عوام الناس کا اس سے استفادہ کرنا کافی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر عثمانی (۲؍جلدیں): شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ سے احباب و متوسلین نے ترجمہ قرآن تحریر کرنے کا اصرار کیا، جس پر انھوں نے الگ سے ترجمہ لکھنے کے بجائے حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی علیہ الرحمہ کے مستند اور مقبول اُردو ترجمہ کی تسہیل کو عوام وخواص کی ضرورت کی تکمیل کے لیے کافی سمجھا۔ ترجمہ کے بعد اس پر تفسیری حواشی تحریر کیے، سورۂ نساء تک ہی لکھ پائے تھے کہ شیخ الہند کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد کے حواشی شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ نے تحریر کیے تھے

جنہیں بعد میں ''تفسیر عثمانی'' کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔

اس کے کچھ امتیازات جناب مولانا ولی رازی صاحب نے یوں ذکر کیے ہیں:

۱-زبان و بیان کے اعتبار سے یہ تفسیر بہت معیاری ہے، ترجمہ (مترجم: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ) میں جس طرح معیاری اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اسی طرح تفسیر میں بھی سلیس اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۲-تفسیر عثمانی اپنے اختصار کے اعتبار سے بھی بے مثال ہے، نہایت قلیل عبارت میں مسائل کو اس طرح حل کیا ہے کہ عام قاری بھی ان کو سمجھ لیتا ہے اور کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔

۳-جن مقامات کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، ان میں بڑی احتیاط کے ساتھ راجح اقوال کو ذکر کیا ہے اور متعدد مقامات پر وجہ ترجیح بھی ذکر کی ہے۔

۴-مولانا نے یہ تفسیر عصری تقاضوں کو سامنے رکھ کر لکھی ہے، اس لیے جدید ذہن کے شبہات اور فلسفہ جدیدہ کے مسائل کا کافی وشافی اور مدلل جواب دیا ہے۔

۵-بعض ایسے امور جن کو تجربات و مشاہدات زدہ جدید ذہن قبول کرنے میں تأمل کرتا ہے، ان مسائل کی عقلی توجیہ کر کے ان کو جدید ذہن کے لیے بھی قابلِ قبول بنایا ہے، جیسے مسئلۂ روح وغیرہ۔

۶-قرآن مجید کی آیات میں کوئی تعارض محسوس ہوتا ہے یا واقعات کے بیان میں دو مختلف مقامات پر مختلف اندازِ بیان ہوتا ہے، ان سب آیات کی تفہیم میں تمام اشکال حل کرنے کی سعی کی ہے۔

(فضلائے دیوبند کی قرآنی خدمات: ۱۷۱-۱۷۲)

زمانۂ قدیم میں حکومت سعودی کی جانب سے برصغیر کے اردو داں طبقے کو بڑے سائز میں جو سبز رنگ کا ترجمہ قرآن کریم پیش کیا جاتا تھا اس کے حاشیہ پر یہی تفسیر ہوتی تھی، جس میں ترجمہ قرآن کریم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی علیہ الرحمہ کا تھا۔ بعد میں کچھ مسلکی متعصبین کی جانب سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کی وجہ سے سعودی حکومت کی جانب سے اس قیمتی ہدیہ کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ تاہم اب یہ تفسیر الگ سے دو جلدوں میں مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

معارف القرآن شفیعی (۸ر جلدیں): ۸ر جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر بلا مبالغہ برصغیر کی سب سے مقبول اردو تفاسیر میں سے ایک ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب علیہ الرحمہ نے قیامِ پاکستان کے بعد عوام الناس کے لیے ریڈیو پر اردو تفسیر کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا، جس کو بعد میں نظر ثانی اور ضروری حذف و اضافے کے ساتھ باقاعدہ کتاب کی شکل دے دی گئی۔ حضرت مفتی شفیع

صاحب کی شدید علالت کی وجہ سے درمیان کا کچھ حصہ ان کے لائق فرزند حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تحریر کیا تھا جس کی تفصیل کتاب کے مقدمہ میں ملتی ہے۔ اس کتاب میں قرآن کریم کے دو ترجمے شامل کیے گئے ہیں، پہلا ترجمہ متن کے نیچے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی علیہ الرحمہ کا ہے، جب کہ دوسرا ترجمہ ''خلاصۂ تفسیر'' کے عنوان سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا ہے، خلاصۂ تفسیر کے بعد ''معارف ومسائل'' کے عنوان سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب مسائل واحکامات اور متعلقہ مباحث پر کلام کرتے ہیں۔ یہ تفسیر اگرچہ عوام الناس کے لیے لکھی گئی تھی، تاہم مرورِ زمانہ کے ساتھ اردو دانی وزبان فہمی میں کافی انحطاط آتا گیا، جس کی وجہ سے شیخ الہند اور حکیم الامت کے ترجمہ سے مکمل استفادہ ذرا مشکل ہوگیا، اسی کے پیش نظر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے آسان ترجمہ قرآن کے عنوان سے ہر متن کے بعد اپنا ترجمہ بھی شامل کتاب کر دیا، جو نہایت سلیس اور آسان زبان میں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دار العلوم کراچی کے اساتذہ کی ایک جماعت کے ذریعہ پوری تفسیر کی تحقیق وتخریج بھی کرادی گئی جس کے نتیجے میں حاشیہ کا گراں قدر اضافہ بھی ہوگیا۔ ایک سال قبل دیوبند کے مشہور ناشر کتب ''زکریا بک ڈپو'' کے ذمہ داران نے طلبہ وطالبات کی سہولت کے پیش نظر راقم (بدر الاسلام قاسمی) کے ذریعہ اس میں 'آسان لغات القرآن' کا اضافہ کرادیا جس کی وجہ سے ان کا ایڈیشن 9 جلدوں پر مشتمل ہے۔ الحاصل مارکیٹ میں معارف القرآن مختلف سائز میں تین طرح کا دستیاب ہے (۱) قدیم مع دستی کتابت (۲) معارف القرآن مع آسان ترجمہ قرآن کمپیوٹر کتابت (۳) معارف القرآن مع آسان ترجمہ قرآن وآسان لغات القرآن جدید کمپیوٹر کتابت۔

معارف القرآن ادریسی (۸ر جلدیں): تقسیم ہند کے وقت عام مسلمانوں کے ساتھ کئی مستند ومعتبر اور اکابر علماء ومشائخ پاکستان ہجرت کر گئے تھے، انہیں میں ایک جلی نام حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ کا ہے۔ حضرت مولانا کی تفسیر معارف القرآن 1382ء میں پاکستان سے آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، تفسیر لکھنے کے کیا محرکات تھے انھیں مصنف موصوف نے کتاب کے مقدمہ ہی میں واضح فرمادیا ہے؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

''میرے دل میں خیال آیا کہ ایک ایسی تفسیر لکھی جائے جو مطالب قرآنیہ کی توضیح وتشریح اور ربط آیات کے علاوہ قدرے احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ وتابعین پر اور بقدر ضرورت لطائف ومعارف اور نکات اور مسائل مشکلہ کی تحقیقات اور ملاحدہ اور زنادقہ کی تردید اور ان کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات

پر مشتمل ہو پھر یہ کہ وہ ترجمہ اور تفسیر سلف صالحین کے مسلک سے ذرہ برابر بھی ہٹا ہوا نہ ہو اور کسی جگہ بھی اپنی رائے اور خیال اور نظریہ کو قرآن کے بہانے سے پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکا اور فریب نہ دیا جائے، جیسا کے آج کل آزاد منشوں کا طریقہ ہے کہ قرآن کی تفسیریں لکھ کر اس لیے شائع کر رہے ہیں کہ تاویل اور تحریف کے ذریعے قرآنی تعلیمات کو مغربی تہذیب وتمدن کے مطابق کر دیں اور اپنے حسب منشا قرآن کے معنی گھڑ کر خیالات باطلہ کے نام سے مسلمانوں میں پھیلا یا جائے۔''

مولانا کاندھلوی کے اس مقدمہ سے اس تفسیر کا امتیازی پہلو اور اس کی خصوصیات بھی واضح ہیں، مولانا نے اس تفسیر میں کلامی اور اعتقادی مسائل پر زیادہ توجہ دی ہے یہ بھی اس کتاب کا امتیازی رنگ ہے زبان عالمانہ ہے۔ معارف القرآن محققانہ انداز کی بہترین تفسیر ہے' متن قرآن کے ساتھ شاہ عبد القادر محدث دہلوی کا ترجمہ ہے۔تفسیر میں بیان القرآن کی پیروی کی گئی ہے اور حدیثی' کلامی 'فقہی اور تاریخی فوائد کا گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ دقیق علمی اصطلاحات اور مشکل جملوں کی وجہ سے یہ تفسیر عوام کے لیے زیادہ سودمند نہیں، البتہ مضبوط استعداد رکھنے والے علماء کے لیے نہایت مفید ہے۔

انوار البیان فی کشف اسرار القرآن (۵ رجلدیں): تاریخ، سیرت، فقہ اور دیگر کئی موضوعات پر درجنوں کتابوں کے مصنّف حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہری کی یہ تفسیر پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر نبی اکرم ﷺ کی پاک سرزمین مدینہ منورہ میں لکھی گئی ہے، چناں چہ تصنیف کی مدّت اور مقام وغیرہ کے تعلق سے حضرت مفسر مولانا عاشق الٰہی بلندشہری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''میں اس جلیل القدر کام میں دس سال اور چند ماہ تک مشغول رہا اور یہ مدّت دیارِ رسول ﷺ میں گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور بالآخر جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ کے درمیانی عشرہ میں اس مبارک کام کی تکمیل ہوئی۔''

تفسیر مختصر اور عوام کے لیے مفید ہے، مفتیٰ بہ اقوال اور مسائل کا اندراج متعلقہ آیات کے ذیل میں کیا گیا ہے، زبان بھی زیادہ مشکل نہیں ہے۔

انوار القرآن (۱۲ رجلدیں): اس طویل اور مفصل تفسیر کے مصنّف دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی علیہ الرحمہ ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کے دولخت ہونے کے بعد تاحیات دارالعلوم وقف دیوبند سے انتظامی و تدریسی اعتبار سے وابستہ رہے اور دورۂ حدیث میں بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ کتاب کے مقدّمے میں حضرت مفسر لکھتے ہیں:

’’عمر عزیز کی ۶۶ر منزلیں طے ہو چکی ہیں لیکن اس طویل عرصے میں کیا کھویا کیا پایا؟ نہایت صفائی کے ساتھ اس کا اقرار و اعتراف ہے کہ سب کچھ کھویا اور گنوایا ہی، پایا کچھ نہیں ہے۔ اب تو منزل سامنے ہے اور ہاتھ خالی ہے، اس لیے جی چاہتا ہے کہ جو کچھ موہوم ساعتیں رہ گئی ہیں اور سانس باقی ہے وہ کلام اللہ کی خدمت میں صرف ہو جائیں، اگر چہ کتاب اللہ کو اُس کے گراں قدر، بے شمار تراجم اور تفاسیر کی موجودگی میں اس حقیر خدمت کی بالکل حاجت نہیں، مگر خدمت گار تو محتاجِ خدمت ہے۔‘‘

یہ تفسیر غالباً علمائے دیوبند کی جانب سے تحریر کردہ اردو تفسیروں میں سب سے مفصل ہے، انداز بیان علماء اور عوام دونوں کے لیے مفید ہے، تاہم بعض مقامات پر علمی اصطلاحات کا استعمال عوام کے لیے دشواری کا سبب ہوسکتا ہے۔ تفسیر میں آیات کا باہمی ربط، شانِ نزول، روایات، فقہاء کے اقوال و مسالک؛ سب کا بھرپور تذکرہ موجود ہے۔ اس کا تحقیق و تخریج شدہ جدید ایڈیشن منظر عام پر آ چکا ہے۔ درسِ قرآن، تفسیر اور قرآنیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے نہایت قیمتی کتاب ہے۔

تفسیر ہدایت القرآن (۸ر جلدیں): دار العلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث، شارحِ بخاری و ترمذی، کئی علمی کتابوں کے مصنّف اور متصلّب و مستند عالم دین حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری علیہ الرحمہ کی یہ تفسیر ۸ر جلدوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ابتداء میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے جو تحریر لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر ہدایت القرآن کی شروعات حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی صاحب نے کی تھی جو عوامی زبان اور قرآنی وعظ و نصیحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایک پارہ کی تفسیر لکھتے اور اسی طرح ترتیب سے شائع کرتے تھے، پارہ عم کے علاوہ وہ ۹ر پارے مزید لکھ چکے تھے، لیکن اس کے بعد ناشر کتاب کی جانب سے حضرت مفتی سعید صاحب کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ وہ یہ سلسلہ آگے بڑھائیں، چناں چہ حضرت مفتی صاحب نے بھی اپنی علمی مصروفیات و مشغولیات میں سے تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر اس کو تحریر فرمایا۔ ۱۹۷۴ء سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا اور اس کی تکمیل حضرت مفتی صاحب کی وفات سے چند سال قبل ہی ہوئی تھی۔ اس تفسیر کی ایک خصوصیت اس میں پیش کردہ ترجمہ قرآن کریم کا انداز ہے جس میں اوّلاً ہر لفظ کو کاٹ کاٹ کر الگ باکس میں ترجمہ کیا گیا ہے، اس کے بعد اس کو مکمل جملے کی شکل میں لکھا گیا ہے جس سے عوام کے لیے ترجمہ سمجھنا مزید آسان ہو جاتا ہے۔

نور القرآن (۷ر جلدیں): اس کتاب کے مصنّف دار العلوم دیوبند کے سابق استاذ، پنجاب (انڈیا) کے شاہی مفتی اور دار العلوم وقف دیوبند کے سابق صدر مفتی جناب مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

صاحب ہیں۔ مولانا عثمانی تاریخ، سیرت، ایمانیات، عربی نحو وصرف کی چھوٹی بڑی درجنوں کتابوں کے مصنّف ومؤلف ہیں اور بہت عمدہ قلم کار ہیں۔ یہ تفسیر دراصل تفسیر روح القرآن شرح جلالین شریف (مرتب: مولانا فضیل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ) کا خلاصہ ہے۔

چناں چہ مولانا عثمانیؒ کتاب کی ابتدا میں لکھتے ہیں:

''کتاب کے شائع ہونے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ اگر اس (تفسیر روح القرآن شرح جلالین) کو بغیر جلالین کے صرف ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ شائع کیا جائے تو عام لوگوں کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوسکتی ہے، کیوں کہ تشریحات کا اپنا ایک خاص اسلوب ہے اور اس کا مقصد یہ کہ تفسیری اور فقہی بحثوں میں پڑے بغیر صرف قرآن کے اصل پیغام کو سامنے رکھا جائے، اس کا رنگ دعوتی ہے اور یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ ہر طبقے، ہر مکتبِ فکر، ہر مسلک کے لوگ بلا تکلف اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔''

توضیح القرآن (۳؍جلدیں) : عصر حاضر کے علماء میں حضرت مفتی صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی چنداں محتاج نہیں ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ افراط وتفریط اور مبالغہ ومغالطہ کے اس دور میں اسلام کی معتدل اور حقیقی ترجمانی جن حضرات کے حصے میں آئی ہے حضرت مفتی صاحب کا نام ان میں کافی نمایاں ہے۔ عوام الناس کو مطالعہ قرآن سے قریب کرنے اور انہیں مختصر ومستند معلومات فراہم کرنے کی غرض سے لکھی گئی یہ تفسیر نہایت مختصر ہے، لیکن عوام الناس کے لیے کافی حد تک تشفی بخش ہے۔ اس کے دو طرح کے ایڈیشن مارکیٹ میں دستیاب ہیں: (۱) تین جلدوں والا اور (۲) ایک جلد والا۔ مشمولات کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں، بس فونٹ سائز اور جلدوں کا فرق ہے۔

آسان تفسیر (۲؍جلدیں) : اس کے مصنّف ہندوستان کے مشہور عالم دین اور چھوٹی بڑی درجنوں کتابوں کے مصنّف حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم ہیں۔ اس تفسیر میں آسان و سلیس اردو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تشریح جس میں مستند احادیث کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کو واضح کیا گیا ہے، سابقہ اقوام سے متعلق واقعات کے ذیل میں دعوتی نکات اور سبق آموز پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآن مجید سے مستنبط ہونے والے شرعی احکام اور خاص کر جدید مسائل پر توجّہ دی گئی ہے۔ اہل مغرب کی جانب سے پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے اور عصر حاضر کے غیر اسلامی اور نادرست افکار ونظریات کے بارے میں قرآن مجید کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔

......✦......

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا سید فضیل احمد ناصری

استاذِ حدیث جامعہ ھذا

جامعہ امام محمد انور شاہ میں عظیم الشان اجلاس

قدیم و جدید داخلے کی کارروائیاں مکمل ہوتے ہی جامعہ میں تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ اس موقع پر بروز بدھ دارالحدیث انور ہال میں رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ کی صدارت میں ایک عظیم الشان اجلاس بھی منعقد ہوا، جس میں اساتذۂ جامعہ کے گراں قدر بیانات بھی ہوئے۔ صدارتی خطاب کرتے ہوئے حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ نے طلبہ سے فرمایا کہ آپ کے لیے سعادت کی بات ہے کہ امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے نام سے منسوب اس ادارے میں داخلہ پانے میں کامیاب رہے اور اب تعلیم کے حصول میں کمربستہ ہیں۔ جن اساتذہ سے آپ اکتسابِ علم کریں گے وہ سب اپنے اپنے فن میں پختہ و تجربہ کار ہیں۔ رئیس الجامعہ مدظلہ نے مزید فرمایا کہ رخصت کے سارے ایام ختم ہو گئے۔ اب اپنی ساری غفلتیں، تمام فضول سرگرمیاں، جملہ لاابالی پن ختم کیجیے۔ اب صرف پڑھیے اور پڑھنے میں اپنے قیمتی اوقات صرف کیجیے! یہ سنہرے ایام پھر دوبارہ نہیں ملیں گے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ علمِ دین اپنے طلبہ سے بھرپور توجہ چاہتا ہے۔ اپنے اکابر کی روایات کو اپنی زندگی کا وظیفہ بنائیں اور خود کو ان کی وراثت سنبھالنے کے قابل بنائیں۔ جامعہ کے استاذِ حدیث حضرت مولانا صغیر احمد پرتاب گڑھی نے کہا کہ علم اس وقت تک آپ کے سینے میں نہیں آ سکتا، جب تک آپ اس کی راہ کی ہر رکاوٹ دور نہ کر دیں۔ حصولِ علم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ گناہوں کا ارتکاب ہے۔ جو طالبِ علم گناہ کرتا ہے علمِ دین اس کے قریب جانا ہی نہیں چاہتا۔ گناہوں سے صرف آنکھیں ہی خراب نہیں ہوتیں، دماغ اور دل بھی خراب ہوتے ہیں، بلکہ ان کی تباہ کاریاں پورے جسم پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ انسان کا حافظہ خراب ہو جاتا ہے۔ مشہور فقیہ امام ادریس الشافعی رحمہ اللہ زمانہ طالب علمی میں بڑے کند ذہن تھے۔

انہوں نے اپنی خرابیٔ حافظہ کی اپنے استاذ امام وکیع سے شکایت کی۔ استاذ نے فرمایا کہ گناہ فوراً چھوڑ دو، کیوں کہ علم اللہ کا نور ہے۔ اور یہ نور گناہ گاروں کے لیے مقدر نہیں کیا گیا۔ اجلاس کی نظامت کرتے ہوئے بندۂ ناچیز سید فضیل احمد ناصری نے کہا کہ علمِ دین ترکِ گناہ کے ساتھ مکمل یکسوئی کا مطالبہ کرتا ہے۔ آپ پڑھنا چاہتے ہیں تو جس طرح بڑی بڑی قربانیاں آپ نے دی ہیں۔ گھر بار چھوڑا۔ خویش واقارب کو چھوڑا۔ یاروں اور عزیزوں سے دور ہوئے۔ اپنے محبوب وطن سے نکل کر اجنبی دیار میں آ گئے۔ یہ تمام قربانیاں سودمند اسی وقت ہوسکیں گی جب آپ حصولِ علم کے لیے تن من دھن کی قربانی دے دیں۔ علمِ دین بغیر مکمل قربانی کے نہیں آتا ہے۔ جامعہ کے استاذِ حدیث مولانا مفتی نثار خالد دیناجپوری نے کہا کہ طلبہ اخلاقی برائیوں سے دور ہونے کے ساتھ آدابِ علم کو بھی ذہن میں رکھیں۔ آج کل ذہن یہ بن چکا ہے کہ کتاب میں جتنا لکھا ہے، بس اسی پر اکتفا کرلیں۔ اس سے علم نہیں آتا۔ حصولِ علم کے لیے ضروری ہے کہ کتاب میں دیے ہوئے قواعد کا خوب اجرا کریں۔ قاعدے کے ذیل میں جو مثال دی گئی ہے، اس کے مطابق دوسری مثالیں خود سے بنائیں۔ مثلاً اگر آمدن سے ماضی قریب کا صیغہ واحد غائب آمدہ است ہے تو دوسرے مصادر سے بھی صیغہ واحد اسی قاعدے سے بنائیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ سبق میں پختگی تکرار و مطالعہ سے آتی ہے۔ اذا تکرر تقرر فی القلب۔ جامعہ کے صدر المدرسین محترم جناب حضرت مولانا وصی احمد قاسمی نے کہا یہ علم وحی کا علم ہے۔ اس کے حصول کے لیے ذہن و دماغ کی پاکیزگی نہایت ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ امام العصر علامہ کشمیریؒ اور بانیٔ جامعہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہما جن راستوں پر چل کر علم وفضل میں امامت کے مقام پر پہونچے انہیں راستوں پر چل کر ہی آپ بھی کامیاب ہوں گے۔ آپ کو سارا بلند مقام اسی علم کے لیے ذریعے ملے گا۔

اجلاس کا آغاز عزیزم محمد رافع امر ہوی سلمہ کی تلاوت سے ہوا اور حبیب القدوس بستوی نے نعتِ رسول گنگنائی۔ ترانہ جامعہ لقمان سلمہ نے پیش کیا۔ اس موقع پر مولانا ابوطلحہ اعظمی، مولانا محمد سعید پالن پوری، مولانا شبیر احمد قاسمی، مولانا نوید دیوبندی، مولانا محمد عثمان دیوبندی، مولانا بدر الاسلام قاسمی، مولانا عبید انور شاہ، مولانا حمدان شاہ مسعودی، مولانا ذکی انجم صدیقی، ماسٹر زعیم عابد اور مولانا ثاقب دیوبندی موجود رہے۔ مفتی نثار خالد صاحب کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

اسباق کی تقسیم کے بعد تعلیم کا آغاز

اجلاس کے اگلے دن سے ہی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کردیا گیا۔ اساتذۂ جامعہ نے تقسیمِ اسباق کے

مطابق متعلقہ کتابوں کی تدریس شروع کر دی۔ جامعہ ہر استاذ کے لیے سالانہ نصاب کی مقدارِ خواندگی بہ ترتیبِ ماہ طے کرتا ہے۔ اساتذہ اسی ترتیب کے ساتھ اپنی تدریسی سرگرمیاں آگے بڑھاتے ہیں۔ اس سے مقررہ نصاب تک پہونچنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ہر مہینے کے اختتام پر ماہانہ مقدارِ خواندگی بھی طلب کر لی جاتی ہے۔ تعلیم کا یہ کامیاب نظام برسوں سے جاری ہے۔

ماہانہ امتحان کا انعقاد

طلبہ کے تعلیمی ارتقا اور ان کی استعداد کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے ماہانہ امتحان کا بھی ایک زریں سلسلہ ہے، جس میں درجہ اعدادیہ اور عربی اول تا عربی سوم کے طلبہ انتظامیہ کی طرف سے معین کتابوں کا امتحان دیتے ہیں۔ رواں سال کا پہلا ماہانہ امتحان 6 جون 2024 کو منعقد ہوا۔ ممتحنین نے طلبہ کی کتابی تیاریوں کا ہمہ جہت جائزہ لے کر انتظامیہ کو اپنی رپورٹ پیش کی تاکہ کمزور پہلوؤں پر مزید توجہ دی جا سکے اور طلبہ کی استعداد زیادہ مستحکم ہو۔

مطبخ کی نئی عمارت کی تعمیر

جامعہ میں طلبہ کے لیے قیام کے ساتھ طعام کا بھی نظم ہے۔ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر موجودہ مطبخ ناکافی تھا، اس لیے انتظامیہ نے نئی عمارت کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔ نئی عمارت بھی بحمد اللہ پایہ تکمیل کو پہونچ چکی ہے۔ اس کا رقبہ کافی بڑا ہے۔ برسات سے بچاؤ کے لیے بھی معقول انتظامات کیے گئے ہیں۔

عید الاضحیٰ کی تعطیل ختم، تعلیم شروع

شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے پانچ دن جامعہ میں تعلیم جاری رہی۔ 13 جون سے 24 جون تک جامعہ میں قربانی کی چھٹی رہی۔ تعطیل ختم ہوتے ہی طلبہ بر وقت جامعہ میں حاضر ہو گئے اور تعلیم کا سلسلہ جہاں سے منقطع ہوا تھا، وہیں سے مربوط ہو کر رواں دواں ہو گئی۔

……✦……

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
Vol. 22 Issue 03/May-July/2024
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

May - July 2024



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دار الاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دار الاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/c No. 520101265117956
Corporation Bank Deoband, IFSC Code: CORP0000786